رہنمائے علم و عمل

طلبہ علما اور اہل مدارس کے لیے

تحریر

علامہ محمد احمد مصباحی
ناظم تعلیمات الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

ناشر

مصباحی پبلیکیشن
محمد آباد گوہنہ
9506191193

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب:۔ رہنمائے علم و عمل
(طلبہ و علما اور اہل مدارس کے لیے)

تحریر:۔ صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی متعنا اللہ تعالی بطول حیاتہ
ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

جمع و ترتیب:۔ فیضان رضا امجد مصباحی

کمپوزنگ:۔ مصباحی پبلی کیشن، محمد آباد گوہنہ، مئو

صفحات:۔ ۸۸

تعداد:۔ گیارہ سو

طباعت:۔ ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۵ء

ناشر

مصباحی پبلی کیشن

محمد آباد گوہنہ ضلع مئو پن کوڈ 276403

misbahi.publication@gmail.com

موبائل نمبر 09506191193

ملنے کے پتے

(۱) المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی۔ (۲) مکتبہ شیرانی، حسنین مارکیٹ، شیرانی آباد، ناگور، راجستھان (۳) اسلامک پبلیشر مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۶۔

فہرست

پیش لفظ

اثر کرے نہ کرے، سن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

اللہ رب العزت کا فضل وکرم کہ اپنے حبیب نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جملہ علوم ومعارف کا خزینہ اور ہدایت ورہنمائی کا سرچشمہ بنا کر بھیجا۔ جن سے صحابہ وتابعین، ائمہ دین اور اولیائے کاملین کو فیض پہنچا اور ان سب سے استفادہ کرتے ہوئے بہت سی عظیم المرتبت شخصیتیں ہماری رہنمائی فرما رہی ہیں۔ بیدار مغز قوم کا فریضہ ہے کہ اپنی دینی وعلمی شخصیات اور ان کی قابل قدر خدمات کو یاد رکھیں اور انھیں مشعل راہ بنائیں۔

فرزندان اشرفیہ میں ماضی کی طرح آج بھی ایسی عظیم ہستیاں موجود ہیں جنھوں نے اپنی حیات وزیست اور فکر ونظر کی تمام صلاحیتیں، علم وشعور کی جملہ توانائیاں اور زبان وقلم کی ساری قوتیں دین حق کی اشاعت، دین حق کے فروغ، اہل سنت وجماعت کے تحفظ اور اس کی صیانت وبقا کی خاطر وقف کر رکھی ہیں۔

راقم الحروف کو تحصیل علم کی خاطر غالباً ۱۹۹۵ء/ میں اشرفیہ لایا گیا اسی وقت سے والد محترم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب قبلہ کی خلوت وجلوت میں ان کی زندگی کے ہر گوشے کو قریب سے دیکھا، بہت سی خداداد صلاحیتوں کو بھی محسوس کیا، شبانہ روز کی علمی، تبلیغی مصروفیات، شخصیت سازی اور فکری کاوشوں کے بے شمار اوراق کا مطالعہ کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ وقت کی ایسی باکمال ہستی کی حیات وخدمات کو نظر انداز کرنا، ہماری ہی نہیں بلکہ پوری قوم کی حرماں نصیبی اور حق فراموشی ہوگی۔

اسی فکر کے تحت مصباحی پبلی کیشن کا قیام عمل میں لایا تا کہ والد محترم اور علماے دین کے علمی افادات کو عام کیا جائے اور قوم کو ان سے استفادہ کا موقع فراہم کیا جائے اسی منصوبہ کے تحت "رہنماے علم وعمل" کو اشاعت کی پہلی کڑی بنا کر علماے اسلام، طالبان علم اور اہل مدارس کی بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

کتاب تعلیمی، تحریری اور جماعتی مسائل پر مبنی ہے۔ جس میں ڈگمگاتے قدموں کو بچانے کی تدابیر کو اپنانے کی دعوت دی گئی ہے۔ امید ہے کہ اصلاح پر آمادہ مدارس اور تعلیم و تعلم سے وابستہ افراد اپنے حالات پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کریں گے۔

زیر نظر کتاب ان مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے جو تعلیمی موضوعات پر والد گرامی مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ نے مختلف ادوار میں تحریر فرمائے۔ بعض مضامین کسی سیمینار کے لیے لکھے گئے، بعض کسی کی فرمائش پر لکھے، بعض کسی رسالے یا کتاب میں اشاعت کے لیے از خود لکھے۔ ان میں سے اکثر وبیش تر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور میں اور دوسرے بعض رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ اب انہیں یک جا شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ ایک ایسی شخصیت کے رشحات قلم ہیں جس کا تعلیم و تعلم اور تعلیمی اصلاح وانتظام کی دنیا سے تقریباً پچاس سالہ تعلق ہے۔ انھیں بغور پڑھنے، سمجھنے اور عمل میں لانے کی کوشش ہو تو تعلیمی میدان میں ایک صالح انقلاب بر پا ہو سکتا ہے۔

ترتیب کتاب میں مولانا عارف اللہ مصباحی، مولانا خالد ایوب مصباحی، مولانا محمد جاوید چشتی صاحبان کی عنایتیں اور برادر محترم مولانا عرفان رضا مصباحی کا تعاون شامل ہے۔ مولا تعالیٰ ان حضرات کو اس کا بہتر صلہ عطا فرمائے اور ان کے مقاصد حسنہ پورے فرمائے۔ (آمین)

ناظرین کرام مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں تاکہ مصباحی پبلی کیشن کے تمام منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ خدائے رحمٰن ورحیم اپنے حبیب کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے طفیل ہماری نیک کاوشیں قبول فرمائے۔ اور زیر نظر کتاب کو عوام وخواص میں مقبول ومفید بنائے۔

۷ر ربیع الآخر ۱۴۳۵ھ — امجد مصباحی

۸ر فروری ۲۰۱۴ء — مصباحی پبلی کیشن محمد آباد گوہنہ، مئو

اسلامی مدارس کی اہمیت

آج دنیا میں دو طرح کے نظام تعلیم رائج ہیں۔ ایک وہ جس کا مقصد دین ومذہب کی تعلیم وترویج ہے۔ دوسرا وہ جو دین ومذہب کی قید اور دین اسلام سے بہت دور ہے۔

لادینی نظام تعلیم کا واحد مقصد یہ ہے کہ نئی نسل کے دل ودماغ سے دینی ومذہبی اسپرٹ بالکل ختم کر دی جائے اور وہ یہ سمجھ ہی نہ سکے کہ ہم کیا ہیں؟ ہمارا مقصد وجود کیا ہے؟ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے جا بجا نرسری اسکولوں کا قیام عمل میں آ رہا ہے جس کا نقد فائدہ یہ دکھایا جاتا ہے کہ بچے ابتدا ہی سے اخلاق وتہذیب کے حامل بن جاتے ہیں۔ اور انگریزی میڈیم تعلیم حاصل کر کے سن رشد کو پہونچتے پہونچتے لائق فائق انگریزی داں اور ماہر علوم وفنون ہو جاتے ہیں۔ لیکن باخبر حلقوں سے مخفی نہیں کہ ایسی درس گاہوں کا نصب العین یہ ہے کہ بچے ابتدا ہی سے لادینی ماحول میں پرورش پائیں تاکہ ان کے اندر دینی فکر ومزاج پیدا ہی نہ ہو سکے--- ظاہر ہے کہ یہ مقصد دل فریب فوائد دکھائے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ سب انتظامات کیے جاتے ہیں جو مادّی نگاہوں کو مسحور کر سکیں۔

افسوس یہ ہے کہ مسلم اہل ثروت نے بھی ایسی درس گاہوں میں اپنے ننھے منے بچوں تک کو داخل کرنا شروع کر دیا، جس کا لازمی نتیجہ بہت جلد سامنے آ گیا کہ اہل دنیا کی زبان میں خواہ وہ بچے لائق فائق کہے جا سکتے ہوں مگر مذہب کی نظر میں واجبی فکر وشعور سے یکسر خالی ہیں۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اہل ثروت خود ایسی درس گاہیں قائم کرتے جن میں عصری طرز تعلیم کی بھر پور رعایت کی جاتی۔ ساتھ ہی طلبہ کو اس اخلاق وتہذیب کا حامل بنایا جاتا جس کا تقاضا مذہب اسلام کرتا ہے ______ ان درس گاہوں میں ابتدا ہی سے قرآن پاک اور دینیات کی تعلیم دے دی جاتی اور عصری علوم بھی پڑھائے جاتے۔ تاکہ ایک

طرف وہ بچے مذہبی جذبات وعواطف اور اسلامی اسپرٹ سے سرشار نظر آتے اور دوسری طرف عصری فنون کے ماہر ہوکر ہر عصری ماہر علوم کی آنکھوں میں آنکھیں ملا کر بات کرنے کی ہمت اور اسلام کی حقانیت وبرتری ثابت کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے -----لیکن مادی نفع عاجل کی ہوس یہ سب سوچنے اور انتظام کرنے کی مہلت کب دیتی ہے؟ ---جہاں بھی ہو بچوں کو داخل کرو، دنیاوی قدر ومنفعت حاصل ہونی ضروری ہے۔مذہب ہمیں کیا آرام وآسائش دے سکتا ہے کہ اس کی بقا کی فکر کریں؟ یہ اک عام طرز تصور ہے جو مسلم آبادیوں خصوصاً مال داروں پر عفریت کی طرح چھاتا جارہا ہے۔ بہت کم اللہ کے نیک بندے ایسے ملتے ہیں جو مال ودولت کی آغوش میں پہونچنے کے بعد بھی اسلام کو جان ومال عزت ووقار اور عیش وآرام سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔رب کریم ان کے امثال زیادہ کرے (آمین)

ایسے افکار وحالات کے پیش نظر آپ تصور کریں کہ دینی درس گاہوں کا قیام کتنا اہم مسئلہ ہے۔اور اس کی بقا واستحکام میں کیسی کیسی دشواریاں حائل ہیں-----کہیں تو حکومتیں ادارے چلاتی ہیں اور ان کا ہر خرچ برداشت کرتی ہیں۔ساتھ ہی تعلیم حاصل کرنے والے فیس کی شکل میں بہت سا خرچ ادا کرتے ہیں۔اور کہیں ایسا ہے کہ کچھ عاقبت بیں افراد دردر کی بھیک مانگتے اور ہر طرح کی تکالیف ومصائب کا سامنا کرتے ہیں پھر کہیں وہ اپنے مدارس کی رمق باقی رکھنے کا سامان کرپاتے ہیں۔پہلے دینی مدارس کی کفالت بھی حکومتیں کیا کرتی تھیں اور علماے دین کو شاہانہ عزو وقار بھی حاصل تھا مگر اب وہ دور نہیں۔خود خاک ہند کے مسلمانوں کو اپنی بقا کا انتظام کرنا ہے۔اپنے ملی وجود وتشخص کی تعمیر کے لیے اپنی متاع بے بہا قربان کرنی ہے تاکہ نونہالان قوم کی تعلیم وتربیت کا معقول اور عصری تقاضوں کے مطابق عمدہ سے عمدہ انتظام کیا جاسکے۔ورنہ اس منظر کا تصور بھی ہمارے لیے سوہان روح ہے جب خدانخواستہ اسلامی مدارس یا ان کا اصل تشخص باقی نہ رہے۔

مدارس اسلامیہ کا تعلیمی معیار

عربی مدارس کسی بھی جماعت کے ہوں سب کا حال یکساں ہے۔بعض ایسے ہیں جن کا معیار تعلیم بڑی حد تک قابل تحسین وستائش ہے اور زیادہ تر وہ ہیں جن کا حال خراب ہے اور مدارس عربیہ سے ابتر حال بیشتر کالجوں اور اسکولوں کا ہے۔جس کے نتیجے میں پورے ملک کے طول وعرض میں سند یافتہ نا اہلوں کی بہت بڑی بھیڑ جمع ہوتی جارہی ہے۔جبکہ ہماری حکومت کا کثیر سرمایہ بھی ان کے اوپر خرچ ہوتا ہے۔لیکن صورت حال نے دانشوروں کو محو حیرت بنا رکھا ہے۔

بروقت ہمارا موضوع صرف مدارس اسلامیہ سے متعلق ہے۔اس لیے انہی کے حالات پر اپنی گفتگو محدود رکھنا ضروری ہے ______ معیار تعلیم کی بلندی اور پستی میں نصاب تعلیم اور نظام تعلیم دونوں کا دخل ہوتا ہے۔لیکن بعض حضرات پستی معیار کے سلسلے میں سب سے زیادہ قصور وار نصاب تعلیم کو ٹھہراتے ہیں۔میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ موجودہ نصاب قابل ترمیم واصلاح ہے۔اس کے باوجود میرا خیال یہ ہے کہ نظام تعلیم اگر ابتری وپراگندگی کا شکار ہو تو اچھے سے اچھا نصاب بھی بے ثمر اور بے سود ہے اور تعلیم وتربیت کا نظام بہتر ہے تو موجودہ نصاب سے کچھ زیادہ قدیم اور فرسودہ نصاب بھی حیرت انگیز اور افادیت سے لبریز ثمرات ونتائج قوم کے سامنے پیش کرچکا ہے۔اور اس نے ایسے ایسے سلاطین علم وفن پیدا کیے ہیں جن کا تذکرہ بھی آج دنیا کے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔

تعلیمی مراحل

مدارس کی تعلیم چند مراحل میں تقسیم ہوتی ہے:

[۱] ابتدائی (پرائمري) تعلیم

[۲] عربی وفارسی درجہ اعدادیہ سے متوسطات (درجہ رابعہ) تک

[۳] عالمیت وفضیلت (درجہ حفظ وقراءت سے سردست اغماض کیا جاتا ہے اس کی بہتری وابتری کے اسباب معمولی غور وخوض یا دیگر درجات کے احوال سے دریافت کیے جاسکتے ہیں)۔

مدارس بھی تین قسم کے ہیں:

[۱] بعض میں صرف ابتدائی تعلیم ہوتی ہے۔

[۲] بعض میں متوسطات تک۔

[۳] بعض میں فضیلت تک۔

اجمالی حال:۔ اور تینوں ہی اقسام میں کچھ معیاری اور عمدہ ہیں اور زیادہ تر غیر معیاری اور پراگندہ حال ______ قصور طریق تعلیم کا ہے جس کی ذمہ داری اساتذہ پر عائد ہوتی ہے۔ اور ناتجربہ کار اساتذہ کے تقرر کا جرم انتظامیہ پر عائد ہوتا ہے اور انتظامیہ کی بعض مجبوریوں کی ذمہ داری مسلم عوام کے سر جاتی ہے۔

تفصیل وتمثیل:۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے چند مثالیں درکار ہیں:

[الف] ناظرہ کی تعلیم کے لیے بچہ میں حرف شناسی اور حرف کی صحیح ادائیگی پیدا کرنا پہلا کام ہے۔ پھر حروف کی ترکیب اور ان کے صحیح تلفظ اور روانی کے ساتھ از خود پڑھنے کی لیاقت پیدا کرنا دوسرا کام ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو بچہ زندگی بھر قرآن غلط پڑھتا رہے گا۔ یا اس میں خود سے پڑھنے کی صلاحیت نہ آسکے گی اور خام کا خام ہی رہ جائے گا۔ اسی طرح اردو قاعدہ، اردو زبان، اردو املا ونقل اور حساب وغیرہ جملہ مضامین کو مختصر طور پر سمجھیں کہ اگر معلم نے ہر جگہ صرف بتانے یا رٹانے کی کوشش کی اور طالب علم میں سمجھنے اور خود لکھنے

پڑھنے درست کرنے کا ذہن نہیں پیدا کیا تو وہ وقتی امتحانات اگرچہ ادنی یا اوسط نمبروں سے پاس کرلے جائے مگر اگلے معلم کے لیے دردسر بنے گا۔

[ب] عربی گرامر اور ابتدائی زبان وادب کا بھی یہی حال ہے کہ اگر قواعد کا اجرا نہ ہوا، اور زبان کی کتاب میں الگ الگ ہر لفظ اور اس کے معنیٰ کی شناخت پھر ترکیب کی معرفت اور ترجمہ کی مشق طالب علم کے اندر پیدا نہ ہوئی اور معلم نے صرف قواعد رٹا کر اور اپنی زبان سے عبارت وترجمہ سب کچھ بتا کر چھٹی کردی تو متعلم کورا ہی رہ جائے گا اور اگلے درجات میں جاکر دردسر بنے گا۔

[ج] منطق کی تعلیم میں اصول وقوانین یاد کرانے کے ساتھ کلّیات خمسہ کا اجرا، دو کلّیوں اور ان کی نقیضوں کے درمیان نسبتوں کی شناخت کے لیے کافی مثالوں کے ذریعہ مشق، اسی طرح قضایا مطلقہ وموجہہ، تناقض وعکوس، پھر اشکال اربعہ یا ثلاثہ کی عملی مشق، اسی طرح مَوادِ اَقیسہ پر مثالوں کے ذریعہ بحث اور استدلال کی خوب خوب تمرین ضروری ہے ورنہ قاضی مبارک تک پڑھ لینے کے بعد بھی طالب علم کسی دلیل کے اندر صغریٰ وکبریٰ کی تعیین اور شکل کی تعیین، اسی طرح دلیل کی صورت یا مادّہ میں پائے جانے والے سقم کی تعیین سے قاصر ہی رہے گا----- اس کام کے لیے مروجہ نصابی کتابوں کو تبدیل کرکے ایسی کتابیں لائیں جو ان سب تمرینات پر خود ہی مشتمل ہوں، یا ان ہی کتابوں سے کام چلائیں بہر حال تمرین واجرا کا کام ضروری ہے---- --سی طرح بلاغت، عروض وغیرہ فنون کو بھی سمجھنا چاہیے کہ صرف کتاب کی شاندار اور دلچسپ تقریر کردینا کافی نہیں، بلکہ فنّی ملکہ پیدا کرنا بھی ضروری ہے۔

لیکن ہوتا یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم عموماً نوآموز اور غیر تربیت یافتہ (ان ٹرینڈ) معلّمین کے سپرد کردی جاتی ہے۔ جن کے لیے کتاب سمجھ لینے کے بعد اسے سمجھا دینا ہی بڑا سخت مرحلہ ہوتا ہے۔ طالب علم کی نفسیات کو سمجھنا، اس کی غلطیوں کے پس پشت خطائے ذہنی کا ادراک کرنا، پھر اس کی اصلاح اور اس میں فنّی لیاقت پیدا کرنا ایسے معلم کے لئے تو محال

عادی کا درجہ رکھتا ہے-----اب خطا معلم تک محدود نہ رہی بلکہ انتظامیہ کے سر بھی آئی جس نے نہ تو ابتدائی تعلیم کی اہمیت کا ادراک کیا نہ اس کے مطابق مدرس کا تقرر کیا-----رہا سوال تنخواہ کی زیادتی اور اچھے معلم کے لیے کافی سرمایہ کی فراہمی کا؟ تو اس کا جواب کچھ مشکل نہیں۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مدارس کے ارکان تعمیر کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور قوم کو یہ اہمیت سمجھا کر اس سے کافی سرمایہ حاصل کرتے اور تعمیری کام میں لگاتے ہیں۔ اگر قابل مدرس کی قدر و قیمت اور اس کے لیے سہولیات فراہم کرنے کی اہمیت بھی انتظامیہ سمجھ لے تو اسے سمجھا کر اس کے لیے بھی سرمایہ حاصل کر سکتی ہے----- لیکن ہم نے اب تک نہ سنا کہ کسی صاحب خیر کو یہ بتایا گیا ہو کہ تعلیمی نظام کے استحکام وارتقا کے لیے اعلیٰ ذہن ودماغ کی ہمیں ضرورت ہے اور اس کی خدمات پر ہم کافی سرمایہ صرف کرنا چاہتے ہیں۔ تا کہ وہ بیس سال بعد از کار رفتہ ہونے کے بجائے چالیس سال تک ہمارے ادارے کا ساتھ دے سکے اور قوم کے لائق وفائق افراد پیدا کرتا رہے۔ اگر انتظامیہ یہ اہمیت اپنے معاونین کو ذہن نشیں کرائے اور وہ اسے تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو یقیناً یہ خطا انتظامیہ سے منتقل ہو کر ہمارے سرمایہ دار طبقہ کے سر جائے گی۔ جس کی اصلاح سب کی ذمہ داری ہوگی۔

ذمہ داروں کا فرض

ارکان ہی نہیں مقررین، علما، اہل قلم سب کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ تعلیم کو اس کا صحیح منصب ومقام دلائیں اور قوم کا فکری معیار ظاہر کی دل کشی سے بلند کر کے باطن کی ہمہ گیر افادیت کی طرف بھی منتقل کریں-----دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان کے عظیم انقلاب وارتقا کا اصل راز یہ ہے کہ اس نے تعلیم اور ماہرین کی تخریج پر پوری قوت صرف کر دی۔ مدرس کے لیے ڈپٹی کمشنر کی صلاحیت اور وزیروں کے برابر سہولیات لازم کر دیں۔ جس کے حیرت انگیز نتائج پوری دنیا کے سامنے ہیں۔

تفصیل مشکلات

امراض وعلاج اتنے ہی پر بس نہیں، بہت ہیں:

[۱] ان میں سے درجاتی ترقی اور امتحانی نظام کی بے قاعدگی بھی ہے۔ بہت سے مدارس کا امتحانی نظام بالکل ڈھیلا اور محض رسمی ہے۔ جس سے طالب علم کی صحیح صلاحیت اور مدارس کی اصل کارکردگی کا کبھی اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد بھی ترقی کے لیے ۳۳ر فیصد نمبر حاصل کرنے کی شرط پوری ہو یا نہ ہو ترقی مل جاتی ہے۔ جب کہ راقم حروف کا نظریہ یہ ہے کہ پرائمری سے عربی وفارسی کی طرف منتقل ہونے والا طالب علم اگر ۵۰ر فیصد سے کم نمبر لایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہ اردو، حساب، وغیرہ میں بہت کمزور ہے۔ اور آگے چل کر عربی درجات میں بھی وہ پریشان کن ہوگا-----اسی طرح درجہ اعدادیہ، اولیٰ، ثانیہ کے اندر ابتدائی زبان اور قواعد کے پرچوں میں ۳۳ر فیصد نمبر لانے پر طالب علم کو کامیاب اور لائق ترقی تصور کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دو تہائی سے زیادہ قواعد جو کھو چکا ہو، وہ ہرگز اگلی کتابوں میں چلنے کے لائق نہیں اس لیے ابتدائی زبان و قواعد کے پرچوں میں کم از کم ۶۰ر فیصد نمبر حاصل کرنا ترقی کے لیے لازم ہونا چاہیے۔ کیونکہ بنیاد کمزور ہو جاتی ہے تو آخر تک عمارت کمزور ہی رہتی ہے۔

[۲] مقدار تعلیم کی کمی بھی پستی معیار کا باعث ہے۔ ابتدائی کتب خصوصاً قواعد کی کتابیں مکمل پڑھانا اور ان کا اجرا کرانا ضروری ہے----- ہدایۃ النحو اگر آدھی یا تہائی دو تہائی پڑھادی گئی اور طالب علم نے خوب یاد بھی کرلی، جب بھی ابھی سیکڑوں باتیں اس کی نظر سے اوجھل ہی رہیں۔ اگلی کتابوں میں جہاں ان سے سابقہ پڑے گا طالب علم الجھن میں پڑے گا۔ اس لیے نحو میر اور ہدایۃ النحو، اجرا کے ساتھ مکمل از بر کرانا ضروری ہے ----- اسی طرح علم الصیغہ بھی مکمل ہونی چاہیے تاکہ قواعد کے ساتھ اجرا کا کام بھی ہو جائے، ورنہ قواعد میں پختگی بھی نہ ہوگی اور الفاظ کی اصل و مادّہ اور تعلیل وتغیّر کے فہم میں تیزی بھی نہ آسکے گی، جب کہ دونوں کے بغیر سخت دشواریاں ہوتی ہیں۔ اور فضیلت تک پہونچ جانے کے بعد بھی اس بنائے خام کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے رہتے ہیں۔

ارکان واساتذہ مذکورہ امور کی طرف بلند ہمتی اور ثابت قدمی کے ساتھ متوجہ ہوں تو معیار تعلیم بڑی حد تک بہتر ہوسکتا ہے----- کچھ خرابیاں اور رہ جاتی ہیں جن میں بہت سے مدارس مبتلا ہیں۔ ان کی صرف فہرست گنا دیتا ہوں علاج کچھ بھی نہیں، سوا اس کے کہ مزاج تبدیل ہو اور علم وتعلیم کی قدر وقیمت سے دل ودماغ میں غیر معمولی جرأت و ثبات اور حوصلہ مندی پیدا ہو کیوں کہ ان خرابیوں کا سرچشمہ یہی پست فکری اور کم ہمتی ہے۔ جب تک یہ برقرار رہے گی کوئی دوا نہ استعمال میں آئے گی، نہ اثر انداز ہوگی۔

اب فہرست ملاحظہ ہو

[ا] بعض مدارس میں طلبہ کو غیر تعلیمی امور میں مشغول کرنا----- مثلاً قرآن خوانی وغیرہ کے لئے بھیجنا جس میں روزانہ کئی قیمتی گھنٹے صرف ہوجائیں۔ فصل کٹنے کے مواقع پر مہینوں یا کم وبیش طلبہ ومدرسین کا تعلیم وتعلّم چھوڑ کر غلّہ کی وصولی میں لگنا اسی طرح کسی بھی غیر تعلیمی کام میں مدرس کا وقت یا طالب علم کا وقت قابل لحاظ مدّت تک مصروف کرنا یقیناً غیر معمولی انحطاط وپستی کا سبب ہوگا ----- انتظامیہ کی اس قسم کی حرکتوں کا مقصد ادارہ چلانے کے لیے روابط قائم کرنا، رقم حاصل کرنا، یا اخراجات کا بچانا ہوتا ہے۔ بلاشبہہ یہ چیزیں ضروری ہیں، لیکن تعلیم کی ترقی کے لیے اگر ان وسائل کو اس طرح حاصل کیا جائے کہ مقاصد نظر انداز ہوجائیں، تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل رقم فراہم کرنا یا بچانا ہی اصل مقصود ہے، اور تعلیم محض بہانہ ووسیلہ۔

[۲] نظام تعلیم کا ڈھیلا پن اور حد سے زیادہ نرمی ورواداری اور تعلقات ومحبت کی پاس داری بھی تعلیم کو پستی کی طرف بڑھانے والی چیزیں ہیں----- اس خصوص میں طلبہ کی کثرت سے غیر حاضری، مدرسین کی رخصتوں کی زیادتی، اور ان سب سے ذمہ داروں کی بے اعتنائی اور بہت سی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ مدرسہ میں حاضر ہونے کے باوجود بھی درس سے مدرس یا طالب علم کی غیر حاضری، طلبہ کی آزادروی، سیر وسفر، لہو ولعب کی طرف غیر معمولی میلان، نماز وجماعت سے غفلت، مطالعہ ومحنت سے دوری، جلسوں اور قسم قسم کے پروگراموں میں روز بروز طلبہ کی شرکت یہ سب خرابیاں خامیِ نصاب کی نہیں، بلکہ ضعف نظام کی پیداوار ہیں۔

[۳] لائبریری، دار المطالعہ اور تعلیمی ترغیب کے اسباب سے دوری بھی بہت سے طلبہ کو بے راہ بنادیتی ہے۔ اور بہت سے طلبہ کی فکری بلندی وترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہے۔ اگر لکھنے پڑھنے کا سامان طلبہ کے گرد وپیش جمع ہو، اخبارات ورسائل اور دل

چسپ صالح کتابوں کی کثرت ہوتو کم استعداد طالب علم بھی دوسرے لہوولعب کی طرف جانے کے بجائے ان ہی میں مشغول ہوگا اور کسی لائق بن جائے گا۔ اور اچھی صلاحیت والا اپنی استعداد کو خاطر خواہ ترقی دے سکے گا جو ادارہ اور قوم وملت سب کے لیے مفید ہوگا۔

مذکورہ اسباب اِنحطاط کے پیچھے بھی کچھ اسباب کارفرما ہیں جن کا خواہی نخواہی ارکان ومدرسین کو شکار ہونا پڑتا ہے۔ ان سب کا مختصر جائزہ اور حل پیش کرنا بھی ضروری ہے:

[۱] بہت سے مدارس دوہرے نصاب تعلیم سے زیر بار ہیں ____ گورنمنٹ سے الحاق کی وجہ سے انہیں درس عالیہ کا نصاب بھی پڑھانا پڑتا ہے اور درس نظامی کا بھی ____ اور دونوں کا امتحان، پھر ہر امتحان کی تیاری بھی الگ الگ ہوتی ہے۔ جب امتحان عالیہ کا وقت آتا ہے تو درس نظامی چھوڑ کر طلبہ ومدرسین اس امتحان کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔ نتیجۃً کوئی نصاب مکمل نہیں ہوتا اور استعداد بھی ناقص رہ جاتی ہے۔

[۲] مدارس اسلامیہ صرف تعلیم وتدریس کا مرکز نہیں ہوتے بلکہ مسلمانوں کی دینی وملی زندگی کا مرجع اور ان کے رہنما بھی ہوتے ہیں ____ اس لیے مسلمان اپنے تبلیغی جلسوں، فاتحہ، نکاح، جنازہ حتی کہ جادو آسیب وغیرہ ضرورتوں اور پریشانیوں کے وقت بھی مدارس ہی کا رخ کرتے ہیں۔ اگر ان اوقات میں ان کی دستگیری نہ کی جائے تو عوام کی بددلی اور روابط کی کمی کے ساتھ یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ دین اور دینی رہنماؤں سے دور ہوکر بے راہ ہوجائیں۔ ان اندیشوں کے تحت انتظامیہ جیسے بھی ہو عوامی ضرورت پوری کرنے کی طرف توجہ کرتی ہے اور اپنے مدرسین وطلبہ کو اس میں لگا دیتی ہے۔ جس کا نمایاں اثر تعلیم پر پڑتا ہے اور کام نکل جانے کے بعد کسی کو خیال بھی نہیں آتا کہ انتظامیہ نے کس مجبوری اور خطرہ کے پیش نظر اس جرم کا ارتکاب کیا بلکہ لوگ اسے سند کے طور پر پیش کرتے ہیں اور اسے ہمیشہ کے لیے اپنی حاجت روائی کا لائحہ عمل قرار دیتے ہیں۔ بعض مدرسین

اپنے ذاتی تعلقات اور علاقہ گیر یا ہمہ گیر مقبولیت ومرجعیّت کے باعث براہ راست بھی اس طرح کے حالات کا شکار ہوتے ہیں اور ملی ضرورت کے پیش نظر ادارہ کافی تعلیمی خسارے سے دوچار ہوتا ہے۔ جس پر کوئی سخت کاروائی بھی نہیں ہوسکتی۔ بعض مدرسین اپنی تنخواہوں کی کمی اور ضروریات کی زیادتی کے باعث بھی تدریس کے ساتھ تقریری یا تجارتی میدان کا رخ کرتے ہیں۔ کبھی اپنی غربت وکم مائیگی کی صعوبتیں دور کرنے سے زیادہ عوام کی نظر میں ایک دولت مندسی عزت پیدا کرنے یا معیار زندگی بلند کرنے کا جذبہ بھی غیر تعلیمی مصروفیات کا محرک ہوتا ہے۔ پھر ایسے مدرسین کو یہ پرواہ بھی نہیں ہوتی کہ ادارے نے ہمارے اوپر کوئی کاروائی کی تو ہم کیا کریں گے۔ کیونکہ ان کا منفعت بخش اور تابناک مستقبل ان کے سامنے ہوتا ہے ____ جب کہ انتظامیہ کے لیے کسی لائق مدرس کا حصول ایک اہم مسئلہ ہے۔

[۴] اسی طرح کسی ہنگامی ضرورت یا خسارہ کو پورا کرنے کے لیے غلّہ کی وصولی اور چندے وغیرہ میں انتظامیہ کے لیے مدرسین وطلبہ کو لگانا بھی بعض اوقات ناگزیر ہوجاتا ہے اور اس کی قیمت تعلیمی نقصان کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔

[۵] طلبہ کی علمی بے رغبتی کے پیچھے بھی بہت سے اسباب وعوامل کارفرما ہوتے ہیں:

اَوّلاً ------ مسلمانوں کا سرمایہ دار طبقہ دینی تعلیم کی طرف میلان ہی نہیں۔ رکھتا وہ اپنی دولت سے دوسرے مسلم بچوں کی مذہبی تعلیم کا ذمہ لے سکتا ہے لیکن خود اپنی اولاد کے لیے اس تعلیم کو پسند نہیں کرتا۔ یہاں تک کی بیشتر ایسے افراد بھی پائے جاتے ہیں جو خود دیندار ہیں۔ لیکن اپنی اولاد کو پرائمری تک بھی دینی تعلیم دلانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور اپنی عزیز نسل کو غیروں کے زرق برق ماحول میں ڈال کر اس کے لیے الحاد ولادینیت کے سارے وسائل بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ فراہم کر کے خوش رہتے ہیں کہ ”شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم“

ثانیاً---متوسط اور معمولی طبقہ جو اونچی دنیاوی تعلیم دلانے سے قاصر ہے، یا دیندار ہونے کے ساتھ دینی تعلیم کی ضرورت کا شدید احساس بھی رکھتا ہے، اس لیے اپنی اولاد کو مدارس اسلامیہ کے حوالے کرتا ہے۔ ان میں بعض یا نصف کند ذہن پائے جاتے ہیں اور اکثر تعلیم کی اہمیت سے نابلد ہوتے ہیں۔ سرپرستوں یا اساتذہ کے دباؤ کی وجہ سے مجبوراً تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی منصوبہ اور کوئی مستقبل نہیں ہوتا۔ اب ان کے فکر و مزاج کی تبدیلی و ترقی کا مسئلہ سامنے آتا ہے۔

لیکن پرائمری یا ابتدائی عربی درجات کے سستے اور از کار رفتہ مدرسین بھی اگر لاپروا اور کام چلاؤ قسم کے مل گئے تو پھر ان طلبہ کی آزادی، بے راہ روی اور تباہی کا پورا ہی سامان فراہم ہو گیا۔ ان میں جو ذہین ہوئے اور اپنے مادّی مستقبل پر غور کیا تو ان کو تقریر کا میدان یا کوئی دوسرا میدان زیادہ منفعت بخش نظر آیا اسی میں کوشش کی اور تعلیم میں امتحان پاس کرنے سے زیادہ محنت کی کوئی ضرورت نہ سمجھی۔ بہت قلیل تعداد ایسی بچتی ہے جو علم کی جویا اور خدمت دین کی شائق ہو، اسے بھی اگر محنتی، ماہر اور پابند اوقات مدرسین نہ ملے، یا محنت و مطالعہ کی سہولتیں اور تعلیمی ترقی کے وسائل فراہم نہ ہوئے تو یہ بھی خام اور ناقص ہی رہ جاتی ہے۔

ثالثاً---بیشتر مدارس میں لاپروا، کھلاڑی اور شریر طلبہ جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ اپنا ایک غالب گروہ اور حاوی ماحول بنا لیتے ہیں۔ جس سے سبھی متاثر اور خراب ہوتے ہیں ______ پھر ادارہ کے ذمہ داروں کی اس ماحول سے بے اعتنائی اسے اور زیادہ مہلک اور تباہ کن بنا دیتی ہے۔

رابعاً---مدارس میں رہائش، غذا اور دیگر ضروریات زندگی سبھی کا انتظام فروتر ہوتا ہے جس میں انتظامیہ اور متعلقہ ملازمین دونوں ہی ذمہ دار قرار پاتے ہیں۔ اس کے سبب بھی اونچا طبقہ مدارس کا رخ نہیں کرتا۔ اور بہت سے مدرسین بھی اس

سے کنارہ کش ہونے کی فکر کرتے ہیں۔ بہت سے جھگڑے اور ہنگامے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب کا بھی تعلیم پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے۔

خامساً---عموماً مدارس میں یہ منظر بھی سامنے آتا ہے کہ مال داروں یا حکام میں سے کوئی متوسط قسم کا بھی انسان آ گیا تو اس کے لیے سارا عملہ حرکت میں آ جاتا ہے۔ اور اگر کوئی عالم بلکہ بڑے سے بڑا عالم بھی آ گیا تو اس کا وہ اعزاز و احترام نہیں ہوتا جو اول الذکر کے لیے ہوتا ہے۔ بلکہ اگر اس کا عُشرِ عَشیر بھی ہو جائے تو بہت غنیمت ہے۔ کردار کے اس نمایاں فرق کے بعد مذہبی تعلیم اور علم و فن کی جو قدر و منزلت کسی معلّم یا متعلّم کے ذہن میں پیدا ہوگی وہ محتاج بیان نہیں۔

سادساً---انتظامیہ کے اختلافات یا رکن و عہدے دار بننے کی ہوس اور اس کے تحت محاذ آرائی، کام کرنے والوں کے کام میں بلا وجہ رخنہ اندازی، عوامی گروہ بندی اور مدارس کی فیلڈ میں آ کر ذاتی انتقام جوئی ______ یہ وہ لاعلاج امراض ہیں جو اکثر مذہبی اور غیر مذہبی تعلیمی اداروں کو گھن کی طرح کھائے جا رہے ہیں۔ ان کے پیچھے جاہ پسندی، مفاد پرستی اور ملی و قومی، علمی و تعلیمی نصب العین سے بے اعتنائی کا جو سنگین مرض کارفرما ہوتا ہے جب تک اس کا علاج نہ ہو، اس سے پیدا ہونے والے مہلک امراض کا علاج ممکن نہیں۔

حل و علاج

میرے خیال میں عزم و حوصلہ اور نظم و ضبط سے بیشتر دشواریوں اور خرابیوں پر بڑی حد تک کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ اور ہر طرح کی دینی و ملی ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کے ساتھ تعلیمی ارتقا کا منصوبہ بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

[۱] (الف) بہتر تو یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ گورنمنٹ سے اپنا الحاق ختم کر دیں اس کے اندر نسبۃً زیادہ سلامتی ہے۔

(ب) درس عالیہ کا نصاب ہی مکمل طور سے نافذ کر دیں وہ درس نظامی سے کم نہیں۔ بلکہ اب تک یوپی میں جو نصاب ہے وہ بعض جہتوں سے درس نظامی سے زیادہ جامع اور بہتر ہے۔

[۲] علاقہ اور ملک کی تبلیغی ضرورت کے لیے ہر مدرسہ دو تین ایسے اچھے اور لائق عالموں کا تقرر لازم کرے، جنھیں تقریروں کے لیے باہر بھیجا جا سکے۔ تدریس سے ان کا تعلق جزوی ہو اور ان کی غیر حاضری میں دیگر مدرسین کی خالی گھنٹیوں کے ذریعہ متبادل انتظام ابتدا ہی سے نظام الاوقات میں شامل ہو۔ ضرورت ہو تو ایسے مقبول مقررین کو صرف مبلّغ کے طور پر بھی رکھا جا سکتا ہے۔

[۳] جو مدرسین اپنے طور پر پروگرام کرتے ہیں، وہ اسے ملحوظ رکھیں کہ تعلیمی نقصان کے بغیر لوگوں کی ضروریات یا اپنی ضروریات پوری کی جائیں۔ جس ادارے سے وابستہ ہوں اس کی تعلیمی ترقی سے ہمدردی ایک وفا پیشہ ضمیر کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ تقریر کے لیے ایام تعطیل ہی کو خاص کریں اور مزید چاہیں تو رخصت اتفاقیہ پر مستزاد نہ ہونے دیں، بلکہ ایسے علما پیدا کریں جو اسی میدان کے لیے خاص ہوں، یا جو لوگ اس کے لیے خاص ہوں ان کی طرف رجوع کرا دیں۔ ان سب سے بھی اگر ضرورت یا شوق کی تکمیل نہ ہو سکے تو اپنی جگہ کسی لائق اور غیر خطیب مدرس کو لانے کا انتظام کریں۔ اپنی ذات اپنے ادارہ اور اپنی قوم تینوں ہی کا مفاد ملحوظ خاطر رہنا چاہیے۔

انسان کا ضمیر اگر انصاف پسند ہو اور اس کا ذہن اگر نظم وتدبُّر کا حامل ہو تو مشکلات کی بہت سی زنجیریں کاٹ سکتا ہے۔ ورنہ خود ہزاروں مصائب کی چٹانیں راہ میں حائل کر سکتا ہے۔

[۴] انتظامیہ کا وسیع النظر، بلند حوصلہ اور باتدبیر ہونا سب سے زیادہ ضروری ہے ____ اپنی خرابیاں اور ان کا علاج کوئی از خود انتظامیہ کو بتانے کی زحمت کیوں

کرے گا؟ بلکہ وہ پردہ داری ہی میں عافیت سمجھے گا۔ تعمیری ترقی، مدرسین وطلبہ کے معیاری انتظام زندگی اور تعلیمی ترقی کے لیے ساری سہولتوں کی فراہمی، ہر سمت، ہر گوشہ میں واقع ہونے والی کوتاہی پر نظر اور ان سب کی معقول تدابیر عمل میں لانا انتظامیہ کا فریضہ ہے۔ جبھی دوسرا طبقہ بھی ہمارے مدارس کا رخ کر سکے گا۔ اور جو طبقہ زیر تعلیم وتعلم ہے وہ کار آمد اور مفید بن سکے گا۔ شخصی جاہ ومنزلت اور مال وزر کی قیمت، علم وفن اور بلند تعلیم وتربیت سے زیادہ کبھی نہ سمجھنا چاہیے۔ علم وعمل کی بلندی کے لیے جان ومال کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن محض مال وزر کی تحصیل یا صرف مالی بچت کے لیے تعلیم وتربیت کو انحطاط وپستی کے تنور میں جھونکا نہیں جا سکتا۔ حسن تدبیر اور ہمت واستقامت کے ذریعہ مالیات فراہم کرنے والا عملہ، صحیح تعلیم اور اچھی تربیت دینے والے مدرسین واتالیق، عمدہ لائبریری نظام، علم وفن سے شَغَف رکھنے والا ماحول سبھی حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے کوشش بھی کرنی ہوگی ___ سختی بھی ___ نرمی بھی ___ قانون سازی بھی ___ قوانین کی تنفیذ اور ان کی نگرانی بھی ___ مدرسین وطلبہ اور ملازمین کے ذہنوں کی صالح تعمیر بھی ___ اصلاح پذیر نہ ہونے والوں کی حسب حال سخت سے سخت تادیب بھی ___ عوام اور معاونین کی ذہن سازی بھی ___ کہ وہ ادارہ کے تعلیمی وانتظامی معاملات کو بے جا سفارشات وخواہشات سے پیچیدہ نہ بنائیں اور پوری قوم کی اصلاح وترقی کے لیے بنے بنائے ہوئے پروگرام کو اپنی ضد اور انا کی تسکین کے لیے ضرر نہ پہنچائیں۔

سب سے مشکل کام ذہنوں کی تعمیر واصلاح ہے ___ حالات اور ماحول کی رَو میں تیزی کے ساتھ بہنے کا فن تو سب کو آتا ہے۔ لیکن قائدین ملت اور مصلحین امت کو اپنے منصب ومقام سے کسی لمحہ غافل نہ ہونا چاہیے۔ انھوں نے بھی اگر برے حالات سے مصالحت کر لی یا ماحول کی رو میں بہنا سیکھ لیا تو پھر سفینۂ ملت کی ناخدائی کے لیے کوئی آسمان سے نازل نہ ہوگا۔

نصاب تعلیم

نصاب تعلیم کے متعلق اب تک میں نے کوئی خاص نشان دہی نہ کی۔ چونکہ میرا نظریہ یہ ہے کہ نظام تعلیم میں اگر اصلاح وترقی کی اسپرٹ کارفرما ہے تو نصاب تعلیم کی اصلاح وترقی ایک خانگی اور جزوی مسئلہ ہے جس پر خود ہی توجہ مبذول ہوگی۔ تاہم عمومی حالات کے پیش نظر چند معروضات قلمبند ہیں۔

نصاب تعلیم سے متعلق پہلے تو ہمیں یہ طے کرنا ہوگا کہ عصری حالات کس طرح کے علما کے متقاضی ہیں۔ پھر یہ کہ ان کے لیے موجودہ نصاب کہاں تک ساتھ دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں تین نظریے سامنے آتے ہیں۔

[۱]___ ایک یہ کہ عالم کو قدیم عربی نصاب تعلیم ہی تک محدود رکھا جائے۔ اگر وہ معقولات ومنقولات پر حاوی نہ ہوا تو فقہ وکلام کی باریکیوں کو حل نہ کر سکے گا۔ اور جدید کلامی وفقہی سوالات کا بھی شافی جواب نہ دے سکے گا۔

[۲]___ دوسرا یہ کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم کو بھی شامل کیا جائے تاکہ ہمارا طالب علم مدرسوں سے نکل کر کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرف بھی جا سکے اور معاش کے مختلف شعبوں سے وابستہ ہو کر ہماری نمائندگی اور اپنی کفالت کا فریضہ انجام دے سکے۔

[۳]______ تیسرا یہ کہ آج مستشرقین اور بد مذہب فرقوں کی طرف سے بہت سے ایسے شکوک وشبہات اور سوالات واعتراضات سامنے آتے رہتے ہیں جن کے جوابات سے ہماری نصابی کتابیں خالی ہیں اور یہ بے شمار ایسے نظریات اور ان کے ردّ وابطال سے بھری ہوئی ہیں جن سے آج ہمارا مقابلہ نہیں۔

اسی طرح آج اسلام کے خلاف پہلے انگریزی اور فرنچ وغیرہ زبانوں میں لکھا جاتا ہے، علما ان زبانوں سے واقف نہیں ہوتے اور جو طبقہ واقف ہوتا ہے وہ جوابات سے مکمل طور پر عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے آج کے نصاب میں جدید علم کلام اور بہت معیاری

انگریزی یا فرنچ کا شامل ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح جغرافیہ، سائنس، سیاست، تاریخ عام، تاریخ علوم، تاریخ مذاہب وغیرہ کی ضروری حد تک تعلیم یا ان کا مطالعہ وامتحان ہونا چاہیے۔ ورنہ فکر ونظر میں وہ وسعت نہ آسکے گی جس کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔

میرے خیال سے یہ تینوں ہی نظریے اپنے اندر کچھ اہمیت رکھتے ہیں اور ان سب کی رعایت کرتے ہوئے ایک جامع نصاب کی ضرورت ہے جس کے لیے پہلا کام یہ ہوگا کہ دنیا بھر کی مسلم جامعات کے نصابہائے تعلیم اور نصابی کتابیں مکمل فراہم کی جائیں۔ پھر ماہرین کا ایک بورڈ یہ تعین کرے کہ قدیم نصاب کی کون سی کتابیں باقی رکھی جائیں اور دیگر نصابوں سے کون سی کتابیں ہمارے لیے بعینہ کارآمد ہیں اور کون سی قدیم و جدید کتابوں کا متبادل اپنے ملک اور اپنے طلبہ کے مطابق ہمیں خود تیار کرنا ہوگا۔ پھر ایک تصنیفی بورڈ ہو جس کے لیے تمام سہولیات فراہم کی جائیں اور وہ ضرورت کے مطابق کتابیں مرتب کر کے پیش کرے اور ماہرین کی نظر ثانی کے بعد وہ شائع اور شامل نصاب ہوں۔

تربیتی کورس

اسی طرح ایک تربیتی کورس بھی تیار کرنا ہوگا جس کے ذریعہ فارغین کے لیے تعلیم وتدریس کی ٹریننگ کا کام سرانجام ہو اور بعض مدارس کو یہ کورس پڑھانے کے لیے اپنے یہاں اساتذہ کا بھی باقاعدہ بندوبست کرنا ہوگا تاکہ مدارس کو تجربہ کار اور وسیع النظر مدرسین فراہم کیے جاسکیں۔

تدوین نصاب کے سلسلہ میں کثیر اخراجات کا مسئلہ درپیش ہوگا جو چند باحوصلہ اور ہم مزاج مدارس کے اشتراک عمل سے حل ہوسکتا ہے۔ پیش قدمی اور نمائندگی ونگرانی کے لیے کسی ایک ادارہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد عملی اقدام فوراً کسی ایک شخص یا متعدد اشخاص کے سپرد کرنا ہوگا۔

نئے نصاب میں علمی وفنی اور تحریری وقلمی ترقیوں کا لحاظ بہر حال ضروری ہے کیوں کہ موجودہ زمانہ فکروفن اور تحریر وقلم کا زیادہ متقاضی ہے۔ تقریر ہو تو وہ بھی ایسی جو افادیت میں تحریر کے ہم پلہ یا اس سے بالاتر ہو سطحی اور کمزور باتوں کا جادو تعلیم یافتہ دنیا کو زیر نہیں کرسکتا۔

خلاصۂ مضمون:۔ یہ مضمون متعدد مصروفیات اور مختلف اوقات میں قلمبند ہوا پھر بھی تقریباً سبھی ضروری باتیں تفصیلاً یا اجمالاً واشارۃً قید تحریر میں آگئی ہیں۔ جن کا خلاصہ عنوانات کی شکل میں ایک بار پھر ذہن میں تازہ کرلیں:

۱-نظام تعلیم کی ابتری:۔

[۱] مدرسین کی بے اعتنائی یا نااہلی اور اس سے انتظامیہ کی غفلت۔
[۲] طلبہ کی صالح تربیت کا فقدان یا کمی۔
[۳] نظام امتحان کی بے قاعدگی۔
[۴] ترقی درجات اور داخلہ کی بے ضابطگی۔
[۵] مقدار تعلیم کی کمی اور اکثر مسائل فن سے طلبہ کی بے خبری۔
[۶] غیر تعلیمی امور میں طلبہ اور مدرسین کی مشغولیت۔
[۷] لائبریری سسٹم اور دار المطالعہ کا فقدان یا کمی۔

۲-طلبہ کی بے رغبتی:۔

[۱] بہت سے ذہین اور بلند ہمت بچوں کی تعلیم یا دینی تعلیم سے دوری۔
[۲] متوسط قسم کے داخل مدارس، طلبہ کی مقصد سے لاپرواہی۔
[۳] شریر طلبہ کا غلبہ اور ان سے ذمہ داروں کی عاجزی یا بے اعتنائی۔
[۴] مدارس میں غذا اور رہائش کے انتظام کی پستی۔
[۵] اہل ثروت اور اہل اقتدار کی پذیرائی اور اہل علم کی ناقدری۔

۳-مدرسین کی بے رغبتی اور دشواری:۔

[۱] تنخواہوں کی کمی، ضروریات زندگی کی زیادتی۔
[۲] تجارتی اور تقریری میدانوں کی نفع بخشی وعزت افزائی، تعلیمی ماحول کی صعوبتیں اور علم وفن کی بے وقعتی۔
[۳] انتظامیہ سے متعلق نااہل یا فرائض تدریس سے غافل مدرسین کا غلبہ، ان کا پاس ولحاظ۔
[۴] تعلیمی مسائل اور مدرسین وطلبہ کی دشواریوں کے حل سے انتظامیہ کی غفلت۔
[۵] لائق، مقصد میں مخلص اور بلند ہمت طلبہ کا فقدان یا انتہائی کمی۔

۴-انتظامیہ کے حالات ومشکلات:۔

[۱] اختلافات، گروہ بندی، تعلیمی فکروذہن سے دوری۔
[۲] سرمایہ کی کمی۔
[۳] مسلم عوام کی دین، علمائے دین اور دینی تعلیم بلکہ مطلق تعلیم سے لاپرواہی۔
[۴] عوامی دل جوئی۔
[۵] دوہرے نصاب تعلیم سے نباہ۔
[۶] لائق مدرسین کی کمی۔
[۷] ماحول کی ناسازگاری۔

۵-علاج:۔

[۱] دین وعلم سے الفت، مقصد سے اخلاص، فرض شناسی، عزم وحوصلہ، ثابت قدمی، فکروتدبر۔

[۲] تمام دانشوروں، قائدوں، عالموں کا دین اور علم کے فروغ کے لیے عوامی فکروذہن کی اصلاح اور ماحول میں انقلاب وتبدیلی کی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے

کے لئے مسلسل حرکت وعمل۔

[۳] قومی وملی، دینی وعلمی مفاد کے لیے ذاتی خواہشات ومفادات کی قربانی -----اختلافات سے کنارہ کشی۔ •

امراض وعلاج کے بیان پر مضمون نگار کی ڈیوٹی بحیثیت مضمون نگار ختم ہوجاتی ہے۔آگے کا کام ان بے شمار معالجوں کا ہے جو بیمار مدارس کو موت سے بچانے کے واقعی ذمہ دار ہیں۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان.

ذمہ داران مدارس کے لیے لمحہ فکریہ

اس میں شک نہیں کہ آج جو بھی علم کی روشنی نظر آرہی ہے اس میں درس گاہوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔خصوصاً دینی درس گاہوں کا علم کے ساتھ صالح فکر وخیال اور پاکیزہ اخلاق وعمل کی ترویج میں جو اہم کردار ہے اسے ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انھیں جس قدر متحرک وفعال ہونا چاہیے زیادہ تر درس گاہیں اس سے ابھی تک بہت دور ہیں۔جو درس گاہیں نسبتاً زیادہ فعال ہیں ان کے لیے بھی ترقی کے میدان ابھی کافی وسیع ہیں اور بڑی محنت وجاں فشانی کے بعد ہی وہ دنیا کی عظیم دانش گاہوں کے مقابلہ میں قابل ذکر ہوسکتی ہیں۔

میرا سابقہ طلبہ اور تعلیم یافتہ افراد سے اکثر پڑتا رہتا ہے۔اسکولوں اور کالجوں کے طلبا کو، عموماً دین کی ضروری معلومات اور مذہبی افکار واعمال کے لازمی علم سے بہت دور پاتا ہوں اور یہ فکر دامن گیر ہوتی ہے کہ آخر ان تک دینی ومذہبی علم کی روشنی کیسے پہنچائی جائے، ان میں بعض طلبہ اور فراغت یافتہ افراد ایسے بھی ملتے ہیں جن کو بہت سے دنیاوی محکموں کی بھی عام معلومات نہیں ہوتی اور صحیح ہندی انگریزی سمجھنا سمجھانا بھی ان کے لیے بڑا مشکل ہوتا ہے۔ایسے افراد پر اور زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ آخر جس علم کی تحصیل میں انھوں نے عمر بسر کی ہے اس میں اس قدر کمزور کیوں ہیں؟ اس طرف ان طلبہ کے اساتذہ، سرپرستوں، درس گاہوں کے ذمہ داروں اور خود ان طلبہ کو انصاف واخلاص کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

مذکورہ طلبہ سے زیادہ میرا تعلق مدارس اسلامیہ کے طلبہ سے رہتا ہے اور ان کے علم وعمل، اخلاق وتہذیب اور فکر وخیال کو قریب سے دیکھنے کے مواقع بھی میسر ہیں۔اسی طرح جو حضرات کسی درس گاہ سے فارغ ہوچکے ہیں ان سے گفت وشنید بھی اکثر وبیشتر ہوتی رہتی ہے۔طلبہ کا تو بعض اوقات باضابطہ امتحان بھی لینا پڑتا ہے اور زیادہ تر عام گفتگو اور ملاقاتوں میں طلبہ اور فارغین کی صلاحیتوں کا مختلف جہتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلاشبہ

ان میں بعض کی علمی وعملی حالت بڑی مسرت بخش ہوتی ہے۔ مگر اکثر کی جو عام حالت پائی جاتی ہے ذیل میں اس کو ذکر کر کے میں اپنا اصل مدعا پیش کرنا چاہتا ہوں۔

عام حالت یہ ہے کہ آج دینی درس گاہوں سے نکلنے والے فارغین کے متعلق تحریر وقلم سے دوری، تقریروں میں دلائل وحقائق کی کمی، غیر مستند واقعات وروایات کی زیادتی، صحیح روایات میں بھی افسانوی اور اختراعی خیالات وبیانات کی بے جاملاوٹ، عصر حاضر کے دینی وعلمی تقاضوں سے بے خبری اور ان کی تکمیل سے بے اعتنائی کی شکایت عام ہوتی جارہی ہے۔ لیکن مدارس کے ذمہ داروں کو اپنے طلبہ کی خامیوں کا یا تو بالکل احساس ہی نہیں یا اگر احساس ہے تو ان کے ازالہ کی کوئی فکر اور کارگر جد وجہد نہیں جب کہ ان کا فرض ہوتا ہے کہ اس فکری پستی اور علمی محدودیت کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے فوراً ان کے علاج کی طرف متوجہ ہوں اور اپنی جہد مسلسل اور سعی پیہم کے ذریعہ حالات کا رخ بدل دیں۔ اس سلسلہ میں درج ذیل نکات پر غور کرتے ہوئے مناسب تجاویز کو فوراً زیر عمل لانے کی ضرورت ہے۔

[۱] ایک وقت وہ تھا جب اسلامی شہروں میں معتزلہ وخوارج جیسے فرقے اپنا سکہ جمائے ہوئے تھے وہ اپنے پاس ظاہری زہد وتقوی، شجاعت ودلیری، علم ومکالمہ، زبان وبیان کی دلکشی، تحریر وقلم کی دل آویزی، علوم ادبیہ میں مہارت وامامت، حکومتوں کے عہدوں پر تسلط، مال داروں اور حاکموں کے یہاں اثر ورسوخ جیسے نا قابل تسخیر سمجھے جانے والے آلات ووسائل سے لیس تھے۔ ان کے علمی کمالات ومحاسن کی وجہ سے ان کی بہت سی کتابیں بھی عام نصاب میں شامل تھیں۔ بعض آج بھی شامل ہیں۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ باطل فرقے کسی وقت نا پید ہو جائیں گے۔ لیکن علمائے اہل سنت اپنی منصبی ذمہ داریوں سے غافل نہ تھے۔ انھوں نے اعتزالی تفسیروں کے مقابل تفسیریں، کلام کے مقابل کلام، حدیث وفقہ کے مقابل حدیث وفقہ اسی طرح تاریخ وبلاغت وغیرہ فنون

کے مقابل ہر فن میں خود کتابیں لکھیں اور اہل باطل کی تلبیسوں اور گمراہیوں کا پردہ چاک کیا۔ ارباب حکومت اور اہل مناصب تک بھی اپنا آوازۂ حق پہونچایا اور نور حقیقت اس قدر عام کیا کہ ظلمتوں نے خود دم توڑ دیا۔

اس کے ساتھ یہودیت ونصرانیت کی جانب سے جو حملے ہو رہے تھے ان کا بھی انہوں نے مقابلہ کیا اور اسلام کی صداقت وحقانیت کا جلوہ ہر دور میں جہاں تاب کیا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج جب بھی کوئی فتنہ سر اٹھاتا ہے تو اہل نظر کو قدیم علما کی تحریروں سے اس کا جواب بھی کسی نہ کسی شکل میں دستیاب ہو جاتا ہے۔

[۲] آج ہم جس ماحول سے گزر رہے ہیں اس میں مدارس اسلامیہ کی ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ سخت اور مشکل ہو چکی ہیں۔ کیونکہ آج کچھ ایسے نئے علوم وفنون پیدا ہو چکے ہیں جو ہماری درس گاہوں میں داخل نہیں۔ لیکن ایک عالم دین کو میدان میں اترنے کے بعد ان کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف قدیم اسلامی علوم وفنون بھی اس قدر ضروری ہیں کہ ان کی کامل تحصیل کے بغیر اسلام کی ٹھوس وکالت اور ملت کی صحیح رہنمائی کا فریضہ ادا ہی نہیں ہو سکتا۔

اس لیے آج عصری تقاضوں کے مطابق قدیم وجدید سے ہم آہنگ نصاب نو کی ترتیب اور مدارس میں اس کی تنفیذ کی ضرورت اتنی اہم ہو چکی ہے کہ اس سے صَرفِ نظر کسی جانی ومالی خسارے سے کم نہیں بلکہ اس سے فزوں تر ہے۔

[۳] نصاب تعلیم کوئی بھی نافذ ہو۔ اس سے ہرگز یہ تصور نہیں کر لینا چاہیے کہ اب طلبہ وعلما کو مزید کچھ دیکھنے اور لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہ رہی۔ ہم نے اپنے نصاب میں اتنا کچھ سمو دیا ہے کہ وہی ساری ضروریات ومطالبات کے لیے کافی ہے۔ اس لیے کہ ایسا نہ تو کبھی ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ہو سکتا ہے۔ کوئی بھی نصاب تعلیم صرف لازمی استعداد اور صحیح فکر ومزاج پیدا کرتا ہے جس کی بنا پر مزید تحقیق ومطالعہ کی راہیں کھل جاتی ہیں اور انسان

تمام ضروری آلات ووسائل سے آراستہ ہونے کے قابل بن جاتا ہے۔

نصابی علم میں بھی وسعت ومہارت اور پختگی ومضبوطی خارجی مطالعہ کے بغیر نہیں آسکتی اس لیے کہ کسی بھی نصاب میں گنی چنی محدود کتابیں، محدود مضامین اور محدود علوم وفنون ہی داخل کیے جاسکتے ہیں۔ جب کہ علم وفن کی دنیا اور زمانہ کے حالات ومطالبات کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اسے کوئی خاص نصاب اپنے دامن میں سمیٹنے سے عاجز ہے۔

آپ ارباب کمال اور اصحاب تصنیف علما و محققین کے حالات زندگی پر نظر ڈالیں تو ہر ایک کے بارے میں آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ صرف اپنے نصاب تعلیم کی بنیاد پر صاحب فضل وکمال اور شناور تحقیق وتدقیق نہ بن گئے بلکہ انہوں نے نصابی کتابوں سے باہر بھی بے شمار کتابوں کا بڑی دیدہ ریزی اور جگر کاوی سے مطالعہ کیا ہے۔ جب کہیں وہ اپنے زمانہ میں امتیازی شان کے حامل اور زمانۂ مابعد میں بقائے دوام کے قابل ہوسکے ہیں۔

[۴] ایک ستم یہ بھی ہے کہ ہر عصری نصاب والا اپنے نصاب سے باہر معلومات و مضامین کے سلسلے میں یہ کہہ کر چھٹی پا جاتا ہے کہ یہ میرا موضوع نہیں رہا۔ میں تو فلاں سبجیکٹ کا ماہر ہوں۔ مگر ایک عالم دین اگر یہی بات کہے تو اس کی گلوخلاصی نہیں ہوسکتی۔ مزید برآں یہ صرف اس عالم کی کمی شمار نہیں ہوتی بلکہ اس کے مذہب، اس کی درس گاہ، اس کے تعلیمی نصاب، اس کے اساتذہ سبھی کا قصور شمار کیا جاتا ہے۔ عصری نصاب والے خود بے شمار ضروری معلومات وعلوم سے نابلد ہوں جب بھی وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور عالم دین اگر چند دنیاوی علوم سے بے بہرہ ہے یا کچھ دینی مسائل اسے مستحضر نہیں تو وہ سب سے بڑا جاہل ہے۔ اس دنیا کے اندر علم وجہل کو ناپنے کے پیمانے بھی بڑے عجیب وغریب ہیں۔

اب لمحۂ فکر یہ یہ ہے کہ مدارس کے طلبہ واساتذہ کو ضروری علوم سے آراستہ کیسے کیا

جائے؟ نئے فتنوں کے رد میں مضبوط، وزنی کتابیں منظر عام پر کیسے آئیں؟ جدید نصاب کی تدوین کرنے والے اہل علم وقلم کو کہاں تلاش کیا جائے؟ تقریروں کی غلط بیانیوں کا سد باب کیسے ہو؟ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنا اور اسباب ووسائل کو ترک کر کے آسمان سے رجال الغیب کے نزول اور ساری ذمہ داریوں کی کفالت کے وقت کا انتظار کرتے رہنا اہل خرد کا کام نہیں۔ رب کریم نے خود علمائے عصر اور اسلامیان زمانہ کے کاندھوں پر دین وعلم کی اشاعت اور فروغ وترقی کی ذمہ داری رکھی ہے، اسباب ووسائل بھی پیدا فرمائے ہیں عقل وعلم اور کمال وہنر سے بھی نوازا ہے، انہیں خود اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کا سامان کرنا ہے اور آج ہی اپنے فرائض کی ادائیگی کی تدبیر کرنی ہے۔

[۵] ان حالات میں ضروری ہے کہ خارجی طور پر طلبہ کو تقاضائے وقت کے مطابق لازمی معلومات سے آراستہ کیا جائے اور ان میں قلمی صلاحیت کو بھی فروغ دیا جائے۔ اس کے لیے ہر ادارہ میں ایک ایسی لائبریری اور دار المطالعہ کا ہونا ضروری ہے جس میں مختلف جرائد ورسائل آتے رہیں اور مختلف علوم وفنون مثلاً عقائد وکلام، تفسیر وحدیث، فقہ واصول، تاریخ عام، تاریخ مذاہب، تاریخ علوم، تقابل ادیان، ردِ فرقِ باطلہ، سیر وسوانح، جغرافیہ وسائنس وغیرہ کی کتابیں طلبہ واساتذہ کے لیے فراہم کی جائیں۔ اور انھیں مطالعہ کا عادی بنایا جائے۔ تقریری وتحریری مقابلے کرائے جائیں۔ اور اس بات کی پابندی کی جائے کہ جو کچھ بھی لکھیں اور بولیں وہ مستند کتابوں سے ماخوذ اور صحیح ومقبول ہو۔

اس طرح انہیں وہ علوم بھی حاصل ہوسکیں گے جو نصاب کی گرفت میں نہیں آتے اور قوم کو ایسے افراد بھی مل جائیں گے جو اپنی تقریروں میں معتبر اور صحیح مواد موثر انداز میں پیش کر کے دین کی تبلیغ اور ملت کی رہ نمائی کا فریضہ بجا طور پر انجام دیں۔

دوسری طرف تعلیم یافتہ افراد کی رہنمائی کے لئے قابل اعتماد مصنفین کا ایک گروہ پیدا ہوسکے گا۔

تیسری طرف ہر دور میں تقاضائے عصر کے مطابق جدید اور جامع نصاب

تیار کرنے والے وسیع النظر اہل قلم بھی مستعد اور تیار ملیں گے اور وسیع النظر اہل قلم کی نایابی یا کم یابی کے باعث جدید نصاب کی تدوین کا مسئلہ تعویق میں نہ پڑ سکے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اہل مدارس جس طرح دوسرے تمام مصارف کے لیے سرمایہ کی فراہمی کر لیتے ہیں لائبریری اور دار المطالعہ کے لئے بھی بخوبی کر سکتے ہیں۔ ضرورت اور اس کی اہمیت کا احساس اولین شرط ہے۔ اگر دین وملت اور علم وادب کی اس اہم ضرورت کا احساس پیدا ہو گیا، دین وعلم کے فروغ وارتقا کی سچی تڑپ دلوں میں موج زن ہو گئی اور سطحی وغیر علمی ماحول میں انقلاب لانے کا مخلصانہ جذبہ بیدار ہو گیا تو ذمہ داران مدارس، درسیات کی فراہمی اور تعمیرات کے انتظام کے ساتھ دار المطالعہ کے قیام، لائبریری کی توسیع اور اساتذہ وطلبہ کے لیے اسے مفید تر بنانے کا مسئلہ بھی خود ہی بہت جلد حل کر لیں گے۔

[۶] اس کے ساتھ **چند باتیں** اور ہیں جن کی طرف توجہ ضروری ہے۔

(الف) قواعد کی کتابیں مکمل پڑھائی جائیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے طلبہ علم الصیغہ، ہدایۃ النحو، پنج گنج جیسی کتابیں مکمل نہیں کرتے اور آگے کی کتابیں انھیں شروع کرادی جاتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتدائی قواعد سے ناواقفیت کے باعث عبارت خوانی اور ترجمہ بھی ان کے لیے مشکل ہو جاتا ہے پھر وہ کسی لائق نہیں رہ جاتے۔

(ب) عربی فارسی شروع کرانے سے پہلے ابتدائی حساب اور اردو لکھنے پڑھنے کی قدرت پیدا کی جائے، املا درست کرایا جائے، چھوٹے چھوٹے مضامین اور خطوط لکھنے کی مشق کرائی جائے ورنہ یہ دیکھا گیا ہے کہ بعض طلبہ حساب واملا میں کمزور ہونے کے باعث بعد فراغت بھی بہت سی مشکلات کا سبب بنتے ہیں اور یہ کمزوری خود ان کی رسوائی کا سامان فراہم کرتی ہے۔

(ج) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابتدائی فارسی عربی کے ساتھ حساب اور اردو املا و مضمون نویسی کی ضروری تعلیم دی جائے تاکہ نو داخل طلبہ کی بنیادی کمزوریوں کی تلافی ہو سکے۔

(د) تجوید قرآن سے غفلت عام ہے۔ ناظرہ کی تعلیم عموماً ایسے مدرسین کو سپرد کی جاتی ہے جو طلبہ کو صحت مخارج کے ساتھ حروف کی ادائگی کا عادی نہیں بناتے بلکہ بعض تو خود بھی اس پر قادر نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن مجید ختم کرنے اور اعادہ کرنے کے بعد بھی سو فیصد بچے صحیح ادائگی سے عاجز ہوتے ہیں۔ اب یہ عربی درجات کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد بھی قرآن غلط پڑھتے ہیں اور عموماً امامت بھی کرتے ہیں جس سے ان کی نمازوں کے ساتھ دوسروں کی نمازیں بھی باطل ہوتی ہیں۔

اس لیے ایک طرف تو ناظرہ کی تعلیم صحیح خواں اور ذمہ دار ومحنتی مدرسین کے حوالہ ہونا چاہیے دوسری طرف ابتدائی عربی کے کسی درجہ میں تجوید لازم کر دینا چاہیے تاکہ دوسری درس گاہوں سے آنے والے نئے طلبہ کی کمزوری دور ہو سکے اور سبھی اس قابل بن سکیں کہ صحت قراءت کے ساتھ اپنی نمازیں صحیح کر سکیں اور دوسروں کی نمازیں بھی ان کی اقتدا میں درست ہوں۔

(۷) اس طرح کے بہت سے مسائل پر میں اپنے مضمون "مدارس اسلامیہ کے انحطاط کے اسباب وعلاج" میں گفتگو کر چکا ہوں اسے ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں دار المطالعہ، لائبریری اور دوسری چند ضروری باتوں کا تذکرہ شدت احساس اور جذبۂ اخلاص کے تحت زیر قلم آیا ہے۔

قوی امید ہے کہ مخلص ودرد مند اور سنجیدہ ووسیع الظرف حضرات مذکورہ نکات پر غور کر کے انہیں بروئے کار لانے کی کوشش کریں گے اور رب کریم اپنی توفیق وہدایت اور نصرت واعانت سے ہم کنار بھی فرمائے گا۔ وما ذلک علیہ بعزیز۔ (۱)

---

(۱) الحمد للہ اس سلسلے کے کئی مشوروں کو اب جامعہ اشرفیہ مبارک پور اور متعدد اداروں میں عملی شکل مل چکی ہے اور ابتدائی درجات کے لیے ایک جدید نصاب بھی تیار کر کے شامل درس کیا جا چکا ہے۔

تنظیم المدارس اور نصاب تعلیم

تنظیم المدارس کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ مدارس کے نصاب تعلیم میں جو ناہمواری اور غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے اسے دور کر کے یکسانی پیدا کی جائے اور تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر ارکان واساتذہ سے اس کی بہتری کی جانب خاطر خواہ توجہ مبذول کرنے کی گزارش کی جائے۔

اس کی روشنی میں بعض نمائندگان مدارس پر مشتمل ایک عبوری کمیٹی بنائی گئی جو نصاب پر نظر ثانی کر کے ایک متوازن اور عمدہ نصاب کا خاکہ تیار کرے۔

نصاب پر غور کرنے کے لیے عبوری کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۶/ ۲۷/ ۲۸/ مارچ ۲۰۰۸ء بدھ، جمعرات، جمعہ کو الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں منعقد ہوا جو پانچ نشستوں پر مشتمل تھا۔ صبح کی نشست ۸/ بجے سے ۱/ بجے تک اور رات کی نشست بعد مغرب سے ۱۱/ بجے تک وقفہ نماز عشا کے ساتھ ہوئی۔ جمعہ کے دن ۷/ بجے سے ۱۲/ بجے تک آخری نشست ہوئی اور نصاب کا مسودہ باتفاق حاضرین تکمیل کو پہنچا۔ دودن میں کام مکمل نہ ہو سکا اس لیے دوسرا اجلاس ۲۴/ ۲۵/ ۲۶/ اپریل ۲۰۰۸ء جمعرات، جمعہ، سنیچر کو دارالعلوم وارثیہ لکھنؤ میں رکھا گیا۔

نصاب کی چند خاص باتیں

[۱] قرآن کریم تمام علوم کا سرچشمہ اور جملہ عقائد واعمال کا ماخذ ومصدر ہے، مگر سابقہ نصاب کی نو سالہ مدت میں اس کی تعلیم دس بارہ پارے سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ اس نصاب میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ یا تفسیر کے ذریعہ پورے قرآن کریم کا اجمالی یا قدرے تفصیلی درس ومطالعہ ہو جائے۔

[۲] سابقہ نصاب میں صحاح ستہ سے صرف تین کتابیں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی زیر درس تھیں۔ اس نصاب میں بقیہ تین کتب سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور ابن ماجہ کے ابواب بھی شامل کیے گئے ہیں تاکہ طالب علم کم از کم صحاحِ ستہ سے ایک حد تک بلاواسطہ روشناس ہو جائے ______ علاوہ ازیں مشکوٰۃ المصابیح، صحاحِ ستہ اور ان کے علاوہ متعدد کتب حدیث کے بہت جامع اور نفیس انتخاب پر مشتمل ہے مگر درس میں

سوسوا سو صفحات سے زیادہ نہ آتے، نصاب میں اسے دو سال زیر درس رکھ کر زیادہ سے زیادہ احادیث کریمہ مطالعہ میں لانے کی کوشش کی گئی ہے اس لیے کہ حدیث رسول اسلامیات کا ماخذ دوم اور شارح قرآن حکیم ہے۔

[۳] تصوف کی کوئی کتاب باضابطہ داخل نہ تھی جس سے بڑی کمی کا احساس ہوتا تھا، اس نصاب میں:

(الف) حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) کی مختصر اور جامع کتاب منہاج العابدین شامل کی گئی ہے۔

(ب) مشکوٰۃ شریف سے کتاب الرقاق مکمل داخل نصاب ہے۔ اس کے مضامین تصوف اور اہل تصوف کا خاص ماخذ ہیں اور اخلاق واحسان کا حامل بنانے میں احادیث کریمہ کا اپنا اہم کردار ہے۔ دل ودماغ میں کلمات رسول علیہ الصلاۃ والسلام کی اثر آفرینی کا ایک خاص امتیاز اور بلند مقام ہے۔

(ج) ریاض الصالحین سے بھی ان ابواب واحادیث کو شامل کیا گیا ہے جو اخلاق وتصوف سے گہرا ربط رکھتی ہیں۔ ان شاء المولی تعالیٰ طلبہ کی زندگی پر اس اضافے کا بہتر اور نمایاں اثر مرتب ہوگا۔

[۴] فقہ کے درس میں عموماً کتاب الطہارۃ، کتاب الصلاۃ، کتاب البیوع، کتاب النکاح، کتاب الطلاق کے چند ابواب ہوتے تھے تمام فقہی ابواب بطور متن بھی نظر سے نہ گزرتے۔ اس نقص کو دور کرنے کے لیے نور الایضاح سے طہارت وعبادات اور قدوری سے بقیہ فقہی ابواب کو شامل کیا گیا ہے۔ اسی طرح کثیر جزئیات سے آگاہی کے لیے ہدایہ کے ساتھ بہار شریعت کا مطالعہ لازم کیا گیا ہے۔ اصول فقہ کی بھی کوئی کتاب مکمل نہ ہوتی تھی اب پوری اصول الشاشی داخل درس کی گئی ہے۔

جدید فقہی مسائل سے آشنائی کے لیے "قضایا فقہیۃ معاصرۃ" اور نئے افکار و مذاہب سے واقفیت کے لیے "افکار زائغۃ معاصرۃ" زیر ترتیب ہیں۔ انہیں مناسب مقام پر

شامل کرنے کی کوشش ہوگی۔ ان شاء اللہ الرحمٰن۔

[۵] سابقہ نصاب میں علوم کے ساتھ تاریخ علوم کو جگہ نہ دی گئی تھی۔ اس نصاب میں تدوین قرآن، تدوین حدیث، فن جرح وتعدیل، اسماء الرجال، اصول تفسیر، تاریخ تفسیر، تاریخ اصول حدیث، تاریخ فقہ، تاریخ اصول فقہ، تاریخ ادب عربی، تاریخ مذاہب وملل وغیرہ کو حسب گنجائش جگہ دی گئی ہے۔ بعونہ تعالیٰ ان سب سے طلبہ کی بصیرت اور وسعت نظر میں کافی اضافہ ہوگا۔

[۶] عربی وانگریزی تعلیم میں انشا داخل ہے، مگر اس انشا کا بیش تر حصہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمے کی مشق پر مشتمل ہے۔ مضمون نگاری کیسے ہو؟ خیالات کو مرتب کرنا، چند فقروں یا جملوں کو پھیلا کر مضمون کی شکل دینا، کسی شخصیت، کسی مسئلہ، کسی حادثہ وغیرہ کے گرد حالات، معلومات اور خیالات کو دل چسپ اور مناسب ربط وترتیب کے ساتھ پیش کرنا، ان سب پر تھوڑی سی توجہ اوپر کے ایک دو درجوں میں دی جاتی ہے جن میں طلبہ کو یہ کاوش عربی یا انگریزی میں کرنی ہوتی ہے۔ اس سے قبل انھوں نے سرے سے مضمون نگاری ہی نہ سیکھی، اب سیکھ رہے ہیں تو ایک دوسری زبان کے مزاج، بلند معیار، اسلوب اور محاورات کو بھی سر کرنا ہے۔ اس دوہرے بوجھ کی وجہ سے زیادہ تر انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اکثر طلبہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔

اگر ابتدائی درجات میں انھیں اردو ہی میں مضمون نگاری کا عادی بنایا جائے تو یہ بار ہلکا ہوگا پھر جب ان کے اندر اپنی زبان میں افکار وخیالات کی ترتیب کا ملکہ پیدا ہو گیا تو دوسری زبان میں مضمون نگاری کے وقت صرف ایک بار ہوگا، وہ ہے دوسری زبان کے مزاج ومعیار کا لحاظ، ان شاء اللہ وہ یہ ایک بار بخوبی اٹھالیں گے۔ **زیر نظر نصاب** میں اس کی رعایت کی گئی ہے اور اردو مضمون نگاری کو داخل درس کیا گیا ہے۔

[۷] اچھے خاصے مقررین اور اہل علم کی گفتگو اور تقریروں میں زبان کی غلطیاں

پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح بہت سے لکھنے والوں کی تحریروں میں زبان کے ساتھ قواعدِ املا کی بھی بے شمار غلطیاں نظر آتی ہیں جس کا سبب یہ ہے کہ اردو زبان اور املا کے قواعد نہ انھیں پڑھائے گئے نہ از خود انھوں نے مطالعہ کر کے جاننے اور سیکھنے کی کوشش کی، مزید برآں بعض کو یہ بھی زعم رہا کہ اردو تو ہماری مادری زبان ہے اس کے قواعد سیکھنے کی ہمیں کیا ضرورت؟ اس خیال کی وجہ سے اخیر عمر تک غلطیاں ان کا ساتھ نہیں چھوڑتیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم بالکل صحیح بلکہ نہایت فصیح وبلیغ زبان استعمال کرتے ہیں----- ان حالات کے پیش نظر اردو زبان اور املا کے کچھ ضروری قواعد بھی شامل نصاب کیے گئے ہیں۔

[۸] آج یہ ستم بھی ہو رہا ہے کہ بہت سے مدارس میں کچھ ایسے مدرسین نظر آتے ہیں جو چھ ماہ میں میزان ومنشعب اور نحو میر اور سال بھر میں علم الصیغہ وہدایۃ النحو بھی مکمل نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں سے ہر کتاب کے چند اوراق پڑھا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے طلبہ اور ادارہ پر بڑا احسان کر دیا ہے جب کہ یہ کھلا ہوا ظلم ہے۔ پھر انتظامیہ کی جانب سے اس پر کوئی گرفت بھی نہیں ہوتی اور طلبہ کو ہر سال اگلے درجے کے لیے ترقی ملتی جاتی ہے اور وہ ایک کھوکھلے درخت یا پوست بے مغز کی صورت میں اداروں سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ بہت سارے ہندوستانی اسکولوں، کالجوں کی بیماریاں مدرسوں میں بھی در آئی ہیں۔ ذمہ داری کا احساس اور خدا کا خوف کم وبیش ہر جگہ سے رخصت ہوتا جا رہا ہے۔

اس نصاب میں صرف، نحو، ادب، منطق، بلاغت، فقہ، اصول فقہ، اصول حدیث وغیرہ ہر فن کی بنیادی کتابیں مکمل طور پر شامل کی گئی ہیں کیوں کہ ان کے بغیر ذی استعداد مولوی یا عالم بنانے کا تصور ایک دل چسپ خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ انتظامیہ اور اساتذہ دونوں کی ذمہ داری ہے کہ نصاب کی تکمیل سے غفلت روا نہ رکھیں۔

[۹] فارسی زبان بھی شامل نصاب رکھی گئی ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اردو میں فارسی کے بہت سے الفاظ اور تراکیب داخل ہیں جنھیں اچھی طرح سمجھنے، بولنے

اور لکھنے کے لیے فارسی زبان سے آشنائی ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بہت سا دینی و علمی ذخیرہ فارسی زبان میں بھی ہے، اس سے استفادے اور اس کی عقدہ کشائی کے لیے فارسی میں مہارت ضروری ہے ______ لیکن نحو وصرف اور منطق وغیرہ کی ابتدائی کتابیں اردو ہی میں رکھی گئی ہیں تاکہ مبتدی طلبہ کے ذہن پر فن کے ساتھ ایک دوسری زبان کا کوئی بار نہ رہے اور وہ اصل مقصود کو کم سے کم وقت میں بہ آسانی حاصل کر سکیں۔

[۱۰] عربی اور انگریزی دونوں کے ادب وانشا کو اوپر کی جماعتوں میں بھی لازم کیا گیا ہے تاکہ دونوں میں مہارت ہو سکے اور ملکی، دینی اور تبلیغی امور ہمارے فارغین کے ذریعہ دونوں زبانوں میں انجام پا سکیں۔

[۱۱] ان سارے اضافوں کے ساتھ اس بات کا شدت سے خیال رکھا گیا ہے کہ اگر اسلامی سال کے تین سو چون ایام میں سے صرف ایک سو پچاس دن بھی تدریسی کام ہو تو نصاب تشنۂ تکمیل نہ رہے۔ ساٹھ دن امتحان ششماہی و سالانہ اور ان کی تیاری کے لیے، ایک سو چوالیس دن رخصت اور تعطیل کے لیے فرض کر لیے جائیں تو بھی اتنے ایام (۱۵۰/دن) بچتے ہیں جن میں نصاب کی تکمیل بخوبی ہو سکتی ہے بشرطے کہ مدرسین اور طلبہ اپنے فرض اور اپنے مقصود سے غافل نہ ہوں۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل۔

دعا ہے کہ مولی تعالی التنظیم المدارس کے منصوبوں کو جلد پایۂ تکمیل تک پہنچائے اور مدارس کا علمی، تعلیمی اور عملی معیار بلند سے بلند تر بنائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب الغلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، خاتم النبیین وعلیہم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین.

[نصاب ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔ مجلس برکات کی فہرست کتب میں بھی شامل ہے۔ اشرفیہ کی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔ وہاں دیکھ سکتے ہیں۔ مرتب]

دینی تعلیمی نصاب اور طریقۂ تعلیم میں تبدیلی

(ضرورت اور اہمیت)

"امت مسلمہ کے ترجیحی مسائل اور ان کے حل پر دوسری کل ہند فکر وتدبیر کانفرنس ۸۳ ویں عرس قاسمی کے موقع پر خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے زیر انتظام بہ عنوان: مسلم معاشرے میں تعلیم: "مسائل اور امکانات" ۱۸/ذی قعدہ ۱۴۳۰ھ مطابق ۷/نومبر ۲۰۰۹ء سنیچر کو دن میں ایک بجے سے سوا پانچ بجے تک منعقد ہوئی۔ جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے مندرجہ ذیل فکر انگیز تحریر اسی کانفرنس میں پیش فرمائی تھی۔" (مدیر ماہنامہ اشرفیہ)

دینی تعلیم کے کئی مراحل ہیں۔ ایک مرحلہ یہ ہے کہ ابتدا میں بچوں کو تجوید کے ساتھ قرآن کریم پڑھا دیا جائے۔ وضو و نماز کے ضروری مسائل اور دعائیں سکھا کر ان کی عملی مشق کرائی جائے اور پابندی نماز کی عادت پیدا کی جائے۔ پھر اردو زبان سکھا کر اردو کتابوں کے ذریعہ عقائد واخلاق اور عبادات ومعاملات کے ضروری اور عام مسائل کی تعلیم دی جائے۔ اس مرحلے کے لیے نصاب ایسا ہونا چاہیے جو بچوں کی طبیعت اور مزاج سے قریب تر، بہت آسان اور دلچسپ ہو۔

دینی تعلیم کا ایک حصہ وہ بھی ہے جو بعض مسلم اسکولوں اور کالجوں میں اپنایا گیا ہے کہ عصری علوم سکھانے کے ساتھ طلبہ کو دینی تعلیم وتربیت سے روشناس کیا جائے۔ اس شعبے کے لیے بچوں کی عمر کے لحاظ سے نصاب ذرا مشکل تو ہو سکتا ہے لیکن مختصر اور جامع ہونا بہت ضروری ہے تاکہ دیگر علوم وفنون کے ساتھ اسلامی عقائد ومسائل، اسلامی تاریخ اور اہم دینی شخصیات سے بھی آگاہی ہو سکے اور طلبہ دوسرے ماحول میں جا کر بھی اپنے دین، دینی معاشرہ اور دینی عقیدہ وعمل سے دور نہ ہو سکیں اور بد مذہبوں، بے دینوں کی یلغار سے بھی اپنے کو بچا سکیں۔

Scanned by CamScanner

لیکن اس کانفرنس میں مجھے جوعنوان دیا گیا ہے اس کا اصل مطمح نظر غالباً وہ دینی تعلیمی نصاب ہے جو مدارس دینیہ عالیہ میں علمائے دین کی تخریج کے لیے مقرر ہے۔

اس نصاب کا بنیادی اور اہم مقصد یہ ہے کہ قرآن وحدیث کو سمجھنے اور ان سے براہ راست استفادہ کی صلاحیت پیدا ہو، اسلامی عقائد واحکام کا عرفان ان کے دلائل کے ساتھ ہو، اسلامی مآخذ، اسلامی تاریخ، سیرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، شعائر اسلام اور اہل سنت کے عقائد ومعمولات پر غیروں کی جانب سے ہونے والے حملوں کا جواب دینے کی قوت پیدا ہو اور مختلف محاذوں پر امت مسلمہ کی حکیمانہ ومخلصانہ رہنمائی اور رہبری کی لیاقت بہم ہو۔

میں نے چند جملوں میں جن باتوں کو سمیٹ دیا ہے جب آپ ان کی گہرائی میں اتریں گے اور سنجیدگی کے ساتھ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ دینی تعلیمی نصاب نہایت اہم، بہت مشکل، بڑا صبر آزما اور حد درجہ مشقت خیز ہے۔ مزید برآں اس کے ساتھ کسی بڑی مادی منفعت کی توقع بھی وابستہ نہیں۔

آج عصری درس گاہوں نے اپنے علوم وفنون کو اقسام در اقسام کر کے اپنا ہر نصاب بہت آسان اور مختصر بنالیا ہے اور ایک شعبے کو اختیار کرنے والا اگر دوسرے شعبے کی معلومات سے یکسر خالی ہوتا ہے تو یہ اس کے لیے کوئی عار کی بات نہیں ہوتی۔ لیکن دینی عالم سے یہ توقع رکھی جاتی ہے بلکہ اس کے لیے یہ لازم سمجھا جاتا ہے کہ وہ تمام دینی علوم وفنون میں ماہر کامل ہونے کے ساتھ ریاضی، سائنس، جغرافیہ، تاریخ عالم وغیرہ اور دنیا کی مشہور زبانوں کا بھی شناور ہو۔

دوسری طرف مدارس کا جائزہ لیجیے تو اکثر زبوں حالی کا شکار ہیں۔ ان کے لیے جیسے تیسے ادارہ چلانا ہی دوبھر ہے۔ خصوصاً نصاب تعلیم پر غور وخوض اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور ضروریات کے مطابق نصابی کتابیں تیار کرنے کا ان کے پاس کوئی

باضابطہ انتظام نہیں۔ حال ہمارے سامنے ہے اور ماضی قریب بھی اس سے مختلف نہیں۔ ہاں ماضی بعید میں جایئے تو بہت سی تبدیلیاں اور بہت سی کاوشیں نظر آئیں گی، لیکن وہ بھی اجتماعی اور ہمہ جہت نہیں، بلکہ چند مخلص اور متبحر علما کی ذاتی اور انفرادی کاوشیں ہیں جو انھوں نے اپنے علمی رسوخ واستحضار اور ذاتی ذوق ورجحان کی بنا پر بہت آسانی سے اور بہت کم مدت میں انجام دیں اور انہیں بہت سے خطّوں میں قبول عام بھی حاصل ہوگیا۔

جب کہ اس وقت دنیا کا یہ حال ہے کہ خود حکومتوں کے تحت وزارت تعلیم کا شعبہ ہوتا ہے جس میں کچھ ماہرین بھاری تنخواہوں پر اسی کام کے لیے مختص ہوتے ہیں کہ نصاب کا جائزہ لیتے رہیں اور حسب ضرورت ترمیم کر کے نیا نصاب سامنے لاتے رہیں۔ اب یہ ان کی ڈیوٹی بن چکی ہے کہ ہر سال نہیں تو کم از کم پانچ سال میں نصابی کتب میں کچھ ترمیم ضرور کریں ورنہ "نصاب بورڈ" ناکارہ ونااہل قرار پائے گا۔ ہمارا ہندستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر برصغیر کے مدارس کا حال ساری دنیا سے الگ ہے۔

اولاً: عام مدارس پر نظر ڈالیے تو تعلیم کی عمدگی پر خاطر خواہ توجہ ہی نہیں بس کچھ طلبہ آتے جاتے رہیں، مدرسہ اور مدرسین کا وجود جائز رکھنے کے لیے یہی کافی ہے۔

ثانیاً: جو نصاب جاری ہے اس میں کوئی ترمیم بھی ممکن ہے؟ یہ ان کے تصور سے بالاتر ہے۔

ثالثاً: نصابی کتابوں اور نصابی فنون کا مقصد کیا ہے۔ عام مدرسین کو اس سے بھی سروکار نہیں۔ کون سا فن اور کون سی کتاب ناقص ہو تو طالب علم کی اگلی تعلیم کمزور یا بالکل برباد ہو جائے گی اس کا بھی خیال نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ابتدائی، انتہائی، درمیانی کوئی بھی کتاب ہو اگر اس کے چند صفحات کی زیارت سے طالب علم کو سرفراز کر دیا جائے تو ہمارا فرض پورا ہو گیا۔

رابعاً: ان حالات میں بھی بہت سے اہل علم ایسے ہیں جو تعلیم اور نصاب پر غور

کرتے ہیں بلکہ آج سے تیس سال قبل مبارک پور میں تنظیم المدارس اور الٰہ آباد میں رابطۂ مدارس کا قیام عمل میں آیا اور نصاب میں ترمیم کی ضرورت کو ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر تسلیم کیا گیا۔ پھر ترمیم شدہ نصاب بھی پیش ہوئے مگر مدارس کے باہمی ارتباط اور یکساں نصاب کے نفاذ کا معاملہ آج تک تشنۂ تکمیل ہے۔ مدارس کی جو عام روش چلی آئی ہے اس میں کوئی خوش گوار تبدیلی شاید و باید ہی نظر آتی ہے۔

اب خانقاہ برکاتیہ کی تحریک پر ۲۰۰۷ء میں تنظیم المدارس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی تو اس کی نصابی نشست میں ترمیم نصاب پر ذرا وسیع پیمانے پر غور وخوض ہوا، پورے قرآن کو درس یا مطالعہ یا تفسیر کے ساتھ داخل نصاب کیا گیا، تصوف جو عرصۂ دراز سے خارج از نصاب تھا اسے بھی نصاب میں جگہ دی گئی، حدیث وفقہ کے درس میں بھی گراں قدر اضافہ کیا گیا، بعض فنون جن سے مختصر آشنائی بہت آسان ہے اور بالکل ناواقفی سخت مضر انہیں بھی بقدر گنجائش شامل نصاب کیا گیا، فن تجوید کو بھی لازم کیا گیا، انگریزی زبان اور بعض عصری علوم جو جامعہ اشرفیہ کے نصاب میں شامل تھے انہیں بھی برقرار رکھا گیا۔ تفصیل ماہنامہ اشرفیہ شمارہ جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہو چکی ہے۔ وسائل کی کمی کے باوجود اس بار کچھ نصابی کتب خود تیار کرنے اور شائع کرنے کی بھی ہمت کی گئی جب کہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں اسے بہت مشکل یا ناممکن تصور کیا جاتا تھا۔ (دیکھیے رابطہ مدارس عربیہ الٰہ آباد کی رپورٹ ص:۹) نصابی کتب کی تیاری کا کام مجلس برکات کے سپرد کیا گیا ہے۔ مجلس برکات کا قیام دس بارہ سال قبل حضرت امین ملت (پروفیسر شاہ محمد امین برکاتی دام ظلہ) کی سرپرستی میں ہوا ہے اور جامعہ اشرفیہ کے زیر انتظام سرگرم عمل ہے۔ اس کا پورا وجود آستانہ برکات کا فیضان ہے۔

نصاب میں ترمیم کی ضرورت کو ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر ہمارے معاصرین اور ہمارے اکابر بہت پہلے تسلیم کر چکے ہیں اور پوری دنیا میں اس پر عمل درآمد بھی

جاری ہے اور پہلے بھی یہ عمل ہمیشہ جاری رہا ہے۔ ہمارے پرداد استاذ حضرت مولانا ہدایت اللہ خاں رام پوری ثم جون پوری اور حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہما الرحمہ کے یہاں جو نصاب رائج تھے وہ بعینہ ان کے شاگرد حضرت صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کی درس گاہ میں نہ رہے اور ان کی درس گاہ میں جو نصاب تھا وہ بعینہ ان کے تلامذہ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری، حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز مرادآبادی، صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی، شیخ العلما مولانا غلام جیلانی اعظمی وغیرہم علیہم الرحمہ کی درس گاہوں میں نہ رہا۔ نصاب، معیار داخلہ، معیار فراغت سب میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔

الغرض حسب حالات تبدیلی نصاب ایک مسلمہ حقیقت ہے جسے دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسلاف واخلاف کا عمل خود اس پر شاہد عدل ہے۔

یہ بھی عرض کر دوں کہ تنظیم المدارس کا نصاب یا کوئی بھی نصاب حرف آخر نہیں۔ اس لیے تنظیم المدارس کے تحت ایک نصاب بورڈ بھی ہوگا جو طلبہ ومدرسین کی شکایات سننے، حالات کا جائزہ لینے اور نئی ترمیم یا اس کی تجویز سامنے لانے کا ذمہ دار ہوگا۔

ہاں اس بات کا ہمیں کھلے دل سے اعتراف ہے کہ جو وسائل حکومتوں کے پاس ہیں ان کا سواں حصہ بھی مدارس کے پاس نہیں اسی لیے باتیں تو بہت ہوتی ہیں مگر عمل نہیں ہو پاتا۔ میرے عنوان کا دوسرا جز ہے:

طریقۂ تعلیم میں تبدیلی

اس پر بھی تفصیلی گفتگو ہوسکتی ہے مگر جہاں جمود کا یہ عالم ہو کہ سب کچھ تسلیم ہونے کے باوجود اعضا میں حرکتِ عمل کی آہٹ قریب سے قریب جا کر بھی نہ محسوس ہو وہاں کسی اور تبدیلی کی تجویز بارآور ہونے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے؟

پہلے اساتذہ قواعد یاد کرانے کے بعد زبانی سوالات کے ذریعہ ان کا اجرا کراتے تھے۔ اب عملی مشق اور زبانی وتحریری سوالات کے جوابات لے کر قواعد ذہن نشین کرائے جاتے ہیں۔ کوئی بات سمجھانے کے لیے قرطاس وقلم کا سہارا پہلے شاذ ونادر ہی لیا جاتا تھا۔ اب بلاضرورت بھی تختۂ سیاہ کا استعمال عادت میں داخل ہو چکا ہے۔ پہلے شش ماہی امتحانات کا وجود نہ تھا اور سالانہ امتحانات کے لیے صرف دماغ اور زبان کا استعمال کافی تھا جس کے باعث فعال زبانیں تو بہت پیدا ہوئیں مگر کارآمد ہاتھ کم نکلے۔ اب امتحانات کی کثرت ہے جن میں زبانی امتحانات بہت کم ہیں اور اکثر وہی ہیں جن میں زبان کو ساکن اور ہاتھ کو متحرک رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے فعال ہاتھوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اب ہاتھوں کی زیادہ حرکت بھی دردِ سر بننے لگی ہے-------خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے۔

پہلے طلبہ کی تعداد کم ہوتی تھی اور استاذ انفرادی طور پر ہر طالب علم کو زبانی مشق واجرا کے مراحل سے گزار لیتا تھا۔ اب یہ کام مشکل ہے۔ ہر درس میں طلبہ کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ اساتذہ بھی عموماً تربیت یافتہ (ٹرینڈ) نہیں ہوتے۔ اس لیے اب نصابی کتابیں ہی اس انداز سے تیار کی جاتی ہیں کہ ان میں مشقی سوالات اور تحریری عمل کا ذخیرہ موجود رہتا ہے۔ سوالات وتمرینات کے ذریعہ سبق فہمی کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے اور سبق کو مزید سمجھانے اور ذہن نشیں کرنے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ مزید برآں استاذ کچھ باتیں تختۂ سیاہ پر لکھ کر طلبہ کو فوراً سمجھاتا ہے۔ پھر دو چار طلبہ کے ذریعہ بلیک بورڈ پر کچھ عمل کراتا

ہے۔ اس طرح کمزور طلبہ کے لیے بھی سبق سمجھنا اور ذہن نشیں کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ اور بقیہ تمرینی عمل وہ خود کر کے لاتے ہیں۔ لیکن استاذ نے اگر ہر طالب علم کی کاپی دیکھنے، اس کی کتاب فہمی کا جائزہ لینے اور مناسب ہدایت دینے کی زحمت گوارا نہ کی تو اس طریقۂ درس کی افادیت بہت کم ہوجائے گی۔

فی الجملہ یہ طریقۂ تدریس زیادہ کارگر اور بارآور ثابت ہوا ہے اس لیے مدارس کو بھی اسے اپنانے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً جب کہ قدیم اساتذہ کی طرح زبانی مشق واجرا اور کثرت تمرین وتفہیم کا عمل بھی کم تر یا مفقود ہو چکا ہے۔ سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مدارس ہوں یا اسکول اور کالج، ان کے اساتذہ، طلبہ اور ذمہ داران یہ سمجھیں کہ تعلیم بڑی اہم چیز ہے، اس پر توجہ دینا، اس میں نکھار لانا اور متعلقہ فن میں طلبہ کے اندر رسوخ وکمال بہم پہنچانا ہماری منصبی ذمہ داری ہے۔

آخر میں نصاب کے متعلق چند باتیں مزید عرض کرنا چاہتا ہوں، ان پر اگر تمام مدارس کاربند ہوں تو میرے خیال میں نتائج زیادہ اچھے ہوسکتے ہیں۔

[۱] درجہ پنجم یا ہشتم تک اسکولوں کے مطابق بچوں کو حساب، سائنس، جغرافیہ، ہندی وغیرہ کی تعلیم اردو زبان اور دینیات کے ساتھ باضابطہ دی جائے تاکہ وہ ضروری حد تک ان علوم سے آشنا ہوجائیں جن کی انھیں زندگی میں قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے اور دین کی بنیادی باتوں سے بھی باخبر ہوں تاکہ وہ اپنے دین پر بآسانی عمل کرسکیں۔ ساتھ ہی اردو زبان سے اتنی آگاہی اور دلچسپی پیدا ہوجائے کہ وہ مزید مطالعہ کر کے اپنی معلومات کا دائرہ وسیع کرسکیں۔

[۲] براہ راست قرآن وحدیث کا مطالعہ کرنے کے لیے عربی زبان سے آگاہی ضروری ہے اور عربی سیکھنے کے لیے صرف ونحو اور لغت وادب کی معرفت لازم ہے۔ اس ذریعہ کو آسان سے آسان اور کم سے کم مدت میں سر کرانا چاہیے۔ اسی کو مقصود بنا کر اس پر زیادہ

وقت صرف کرانا آج کسی طرح قرین حکمت و مصلحت نہیں۔ ہاں ضروری نصاب کی تکمیل کے بعد ان علوم آلیہ میں سے کسی علم پر اگر کوئی تحقیق کرے اور اس میں امتیاز و اختصاص پیدا کرے تو بجا ہے۔

[۳] تنظیم المدارس کے نصاب کے مطابق درجۂ عالمیت تک کی تعلیم تمام طلبہ کو مکمل دی جائے پھر فضیلت کا دو سالہ نصاب اس طرح ہو کہ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، کلام وغیرہ میں سے کسی ایک کا غلبہ اور بقیہ کی شمولیت ضروری حد تک ہو یعنی اس نصاب کو متعدد شعبوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ہر شعبہ میں کسی ایک فن کو اصلی اور باقی کو ضمنی کی حیثیت دی جائے تو مختلف علوم و فنون کے ماہرین پیدا ہو سکیں گے۔ اس میں مضامین اور شعبوں کی کثرت کے باعث زیادہ اساتذہ کی ضرورت پیش آئے گی جو بہت مشکل امر ہے۔ اس لیے چند مدارس مل کر اگر شعبوں کی باہم تقسیم کر لیں تو آسانی ہو سکتی ہے، ورنہ بر وقت جو نصاب ہے وہی جاری رکھا جائے۔

[۴] فضیلت کے بعد اختصاص کا دو سالہ کورس مناسب ہے، اسے مزید مستحکم اور زیادہ فعال بنانے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح زیادہ شعبوں میں اختصاص کے انتظام کی صورت بھی پیدا ہونی چاہیے۔

الغرض! بہتری کی شکلیں بہت ہیں لیکن ذمہ داران مدارس میں جب تک فکر و نظر اور ہمت و حوصلہ کی بلندی ہی نہ پیدا ہو کوئی کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لیے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ان میں فکری و عملی بیداری پیدا کی جائے اور انھیں اس پر آمادہ کیا جائے کہ آپ تعلیم کا چھوٹے سے چھوٹا اور محدود سے محدود کام بھی اگر کر رہے ہیں تو اسے منظم، مضبوط اور زیادہ نتیجہ خیز بنائیں۔ محض رسمی خانہ پری سے بے شمار صلاحیتیں ضائع ہو رہی ہیں جب کہ مسلمانوں میں تعلیم کی طرف توجہ بہت کم ہے اور مدارس کی طرف رخ کرنے والوں کی تعداد تو کم سے کم تر ہے۔ اگر گنتی کے یہ چند افراد بھی کارآمد نہ بنائے گئے تو دین و ملت کا عظیم اور سنگین خسارہ ہے۔

طالبان علوم نبویہ سے چند باتیں

جس نے طلب علم کی راہ میں قدم رکھا اسے سب سے پہلے اپنی نیت کو صاف اور مستحکم کر لینا ضروری ہے۔ صفائی نیت سے مراد یہ ہے کہ طلب علم کو واقعۃً اپنا مقصود بنائے، وقت گزاری یا طلب سند اس کا مقصود نہ ہو اور استحکام نیت کا مدعا یہ ہے کہ طلبِ علم کا شوق اپنے دل میں راسخ کرے۔ اور ایک لمحہ بھی اسے دل سے جدا نہ ہونے دے تاکہ اس کے ثمرات اس کے اعضا پر اور اس کی عملی زندگی میں نمایاں ہوں۔

ظاہر ہے جس کی نیت طلبِ علم نہ ہو ہرگز وہ طالب علم نہیں اور جس کی نیت میں استحکام نہ ہو اس کے اندر علم کی لگن اور اس کی طلب میں مشقتوں کا تحمل نظر نہ آئے گا۔ بار بار اس کا ذہن بیکاری یا آرام طلبی کی طرف مائل ہوگا، اور طلب علم سے رو کے گا اور وہ اپنے اوقات اور اپنی تعلیم کے ساتھ انصاف نہ کر سکے گا اور ابتدائی کتب پر بھی عبور حاصل نہ کر سکے گا جس کے باعث انتہا تک کمزور رہے گا یا بار بار ناکام ہوگا یا تعلیم ہی سے خاطر برداشتہ اور متنفر ہو جائے گا اور ایک وقت دیکھے گا کہ عمر بے بہا کا بڑا قیمتی حصہ ضائع ہو گیا اور کچھ حاصل نہ ہوا یا جتنا حاصل ہوا وہ اس طویل مدت کی بہ نسبت بہت کم ہے۔ بعض طلبہ امتحان میں لازمی ۳۳/ فیصد حاصل ہونے اور اگلے درجہ میں ترقی پانے کی حد تک کوشش کرتے ہیں۔ اب بنیادی کتابوں سے متعلق جن کی معلومات کا دو تہائی حصہ غائب ہو اور امتحان پاس کر لینے کے بعد بقیہ حصہ بھی غائب ہو جائے تو آئندہ کے لیے ان کی دشواری، انتہائی کمزوری بلکہ ناکامی محتاج بیان نہیں۔ مگر المیہ یہ ہے کہ ابتدا میں عقل ناپختہ ہوتی ہے، محنت سے نفرت، کھیل سے رغبت، فضولیات سے الفت رہتی ہے اور جب شعور بیدار ہوتا ہے وقت ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے۔ طلبہ کی اکثریت اسی ایک سبب کے باعث کمزور یا بیکار ہو رہی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ابتدائی تعلیم چھوٹے مدارس

میں اساتذہ کی سخت نگرانی کے ماحول میں ہو کہ نہ چاہتے ہوئے بھی پڑھنے اور لیاقت پیدا کرنے پر مجبور ہوں تو یہ ان کے لیے اور زیادہ کارآمد اور مفید ہوگا۔ بنیاد ٹھوس اور مضبوط ہوگئی تو آگے کے ہر قفل کی کنجی ہاتھ آگئی۔

یہ دور جس میں الحاد و بے دینی اور آزادروی و بے راہ روی اپنے عروج پر ہے، علم دین کی راہ میں قدم رکھنے کے لیے بڑے مضبوط ارادے اور توانا قلب وجگر کی ضرورت ہے۔ عالم دین بننے کا مطلب یہ ہے کہ اسے ہر گمراہی سے نبرد آزمائی کرنی ہوگی اور ہر آزادی و بے راہ روی کا پنجہ مروڑنا ہوگا____ جس کے لیے بے پناہ قوت علم وعمل اور بے شمار اسلحوں سے آراستہ ہونا لازمی امر ہے۔ جس کا ذہن مغربی تمدن اور اس کی دل فریب رعنائیوں کی طرف مائل ہو اس سے اسلامی تمدن کا تحفظ کبھی کیوں کر ہوگا۔ خطرہ ہے کہ عالم بن کر وہ اپنے زیر اثر دوسرے مسلمانوں کو بھی اسلافِ اسلام کی روِش اور ان کی وضع سے ہٹا کر مغربی روش پر ڈال دے۔

یوں ہی جو شخص علم دین اور دین اسلام کی برتری کے یقین سے خالی ہوگا وہ اس میں گہرائی و گیرائی نہ پیدا کر سکے گا۔ نہ ہی ان اسلحوں سے آراستہ ہو سکے گا جن سے وہ الحاد وضلال کی کاٹ کر سکے۔

عصر حاضر کے طالبِ علمِ دین کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علوم سے بہرہ ور ہونے کے ساتھ مغربی علوم سے بھی ایک حصہ حاصل کرے تا کہ مغرب سے مرعوب نہ ہو اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔ ان الزامات کا بھی پتہ لگائے جو دیگر ادیان و مذاہب کی طرف سے اسلام پر لگائے جاتے ہیں تا کہ ان کے دفاع و جواب کی تیاری کر سکے۔ اسی طرح اہل سنت کے حریف جتنے فِرَقِ باطلہ ہیں، ان کے شبہات و اقوال سے واقفیت حاصل کر کے ان کے تحقیقی والزامی جوابات سے بھی روشناس ہو تا کہ امت مسلمہ کی حفاظت وصیانت کا فریضہ انجام دے سکے۔

ظاہر ہے کہ ہر فن اور ہر بات کی تعلیم خاص نصاب درس ہی میں ہو جانی ممکن نہیں۔ درس نظامی کا مقصود یہ ہے کہ طالب علم میں عربی کتاب خود سے سمجھنے کی قابلیت پیدا ہو جائے، نہ صرف سیرت و تاریخ اور حکایات و واقعات سمجھنے کی لیاقت بلکہ فلسفہ وکلام کی مشکل کتابیں سمجھنے کی بھی لیاقت پیدا ہو۔ اسی لیے درس نظامی میں ایسی کتابیں شامل کی گئی ہیں جو مشکل سے مشکل فن اور کتاب کے حل کا حوصلہ اور اس کی صلاحیت پیدا کرنے والی ہیں۔

لہذا ہمارے طالب علم کا ایک فرض تو یہ ہے کہ وہ اپنی درسیات کو پورے اخلاص ومحنت کے ساتھ از خود سمجھ کر پڑھے اور استاذ کے ذریعہ ان میں رسوخ ومہارت حاصل کرے تا کہ دیگر کتب جو شامل نصاب نہیں، ان کے سمجھنے میں کبھی اسے دقّت معلوم نہ ہو اور اس نصاب کا مقصود حاصل ہو۔

دوسرا فرض یہ ہے کہ سیرت و تاریخ، ادیان و مذاہب، تقابل ادیان خصوصاً اثباتِ مذہب اہل سنت اور ردفرقِ باطلہ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان میں عبور حاصل کرے تا کہ وہ اسلام وسنیت کی صحیح وکالت کر سکے اور غلط باتیں بیان کر کے اپنے مذہب اور اہل مذہب کی رسوائی کا سامان نہ کرے۔ کتابوں کے مطالعہ میں بھی انتخاب ولحاظ ترتیب ضروری ہے۔

انہی کتابوں کو منتخب کرنا چاہیے جو زیادہ جامع اور مستحکم دلائل ومسائل پر مشتمل ہوں اور ان کو بھی آسان پھر مشکل، پھر مشکل یا الاہم فالاہم کی ترتیب سے دیکھنا چاہیے۔

تیسرا امر یہ ہے کہ تدریس وتعلیم، تقریر ومناظرہ، تحریر وتصنیف، تدبیر وانتظام ہر شعبہ میں کچھ درک ضرور حاصل کرے کیوں کہ عملی میدان میں قدم رکھنے کے بعد ایک ذمہ دار عالم دین کو ہر طرح کے حالات وضروریات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔

"کسی طالب علم سے ان فرائض کی بجا آوری اس وقت تک ممکن نہیں جب تک وہ اپنے اوقات کو ضیاع سے نہ بچائے اور ایک ایک منٹ کو اپنے مقصود اہم میں صرف نہ کر

دے، اپنا ایک مرتب نظام الاوقات رکھے جس کی روشنی میں درسی وغیر درسی کتابوں کے مطالعہ کی مہم بخوبی سرانجام دیتا رہے۔ مثلاً فرصت وتعطیل کے ایام خصوصاً تعطیل کلاں میں غیر درسی کتب ومضامین پر بھرپور توجہ صرف کرے۔ اور ایام تعلیم میں درسیات میں منہمک رہے اور صرف ایک گھنٹہ غیر درسی کتاب کے لیے رکھے، تفریح وآرام کا بھی وقت رکھے مگر قدر حاجت سے زائد نہیں کہ عمر کا ایک حصہ تو آرام میں گزر چکا اور باقی ساری عمر میں بھی اس کے مواقع مل سکتے ہیں۔ طالب علمی کا زمانہ اور اساتذہ سے اکتساب علوم و فیوض کا دور بار بار نہیں ملتا اور گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔"

عمل کی منزل بڑی سخت ہے اور نفس پر انتہائی گراں مگر عالم دین اگر اس سے خالی ہو تو نہ عالم کہے جانے کا حق دار ہے نہ دین کی سچی حمایت اس سے ہو سکتی ہے۔ اس لیے طالب علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی سیرت کا مطالعہ کر کے اس سے الفت پیدا کرے تا کہ ان کی بے داغ زندگی اور ان کے زاہدانہ کردار کے سامنے نہ مغرب کی جلوہ سامانیاں اسے مرعوب کر سکیں نہ دنیا کی دوسری رعنائیاں ------ جو مسلمان اور عالم ہو کر مغربی تمدن کا دل دادہ ہو اور اس کا باطن مغربی لباس ووضع کی طرف لپکتا ہو یقیناً اس کا ذہن اپنے اسلاف کی روش سے غیر مطمئن، اور مغرب سے مرعوب ہے اور غیر سے مرعوب ذہن کبھی بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ایسے افراد مغربی تمدن کی غیر شعوری وکالت تو کر سکتے ہیں مگر اسلامی تمدن کی مخلصانہ حمایت ان سے متوقع نہیں۔ خصوصاً جب کہ ہمارے حریف فرق باطلہ ظاہری اخلاق وعمل سے ہی لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا رہے ہیں اور اپنے بعض حضرات اپنی بے راہ روی سے لوگوں کو دور ونفور کر رہے ہیں، پہلے تو اپنی ذات سے متنفر کرتے ہیں پھر چونکہ ان کی ذات، ان کے مذہب کے ترجمان کی حیثیت سے متعارف اور ذہنوں میں راسخ

ہوتی ہے اس لیے بعض لوگوں کے لیے اپنے مذہب سے بھی بعد ونفرت کا سبب بنتے ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالی۔

حکم الٰہی کی عظمت کے ساتھ اس ماحول کی نزاکت سمجھ لینے کے بعد عمل کی اہمیت اور بے عملی کی سخت مضرت مبہم نہیں رہ جاتی۔

پھر اسلام کی تعلیمات کا مطالبہ محض لباس ووضع پر بس نہیں۔ احکام ظاہر سے احکام باطن تک نہ جانے کتنی دشوار گزار منزلیں ہیں جن کی جادہ پیمائی کے بغیر مقصد اصلی تک رسائی حاصل نہیں ہو سکتی، مومن کی ہر منزل سے آگے ایک اور منزل ہے۔ وہ فاروق وصدیق ہو کر بھی سعی پیہم سے باز نہیں آتا اور مزید کی طلب میں لگا رہتا ہے۔

ایک طالب علم اور عالم کا طرز زندگی ہرگز یہ نہ ہو کہ عمل سے گریزاں نظر آئے، صرف رخصتوں کی تلاش میں رہے، عزیمتوں کا خیال بھی ذہن میں نہ لائے اور یہ تو بہت پست حالت ہے کہ معاذ اللہ صریح خلاف ورزی اور کھلا گناہ کرنے کے بعد توبہ و اعتراف کے بجائے تاویل واصرار میں پڑا رہے۔ "عذر گناہ بدتر از گناہ"۔

محاسبۂ نفس، حسن اخلاق، پختگی کردار وعمل، اخلاق وتقویٰ، جذبۂ خدمتِ دین، شوق اشاعت علم اور ان سب سے صرف خوشنودئ خدا ورسول کی طلب ایک طالب علم اور عالم دین کے لازمی اوصاف ہیں۔

باشعور اور ہوش مند طلبہ سے عرض یہ ہے کہ ان کو اپنی کتب پر عبور کے ساتھ کچھ اور ہمت کرنے کی ضرورت ہے۔ مثلاً:

[۱] جن مدارس کے نصاب میں اب تک ادب عربی یا انگریزی میں سے ایک ہی لازم ہے، دونوں کو اس خیال سے لازم نہ کیا گیا کہ طلبہ پر بار زیادہ ہو جائے گا اور وہ سنبھال

نہ سکیں گے، مگر دونوں کی ضرورت اپنی جگہ مسلم ہے، کیونکہ جو طلبہ عربی ادب کا نصاب مکمل نہیں پڑھتے وہ حدیث، سیرت وتاریخ اور دوسرے فنون کی بہت سی کتابوں کے بہت سے مقامات حل نہیں کر پاتے یا بہت مشکل سے سمجھ پاتے ہیں، جب کہ مکمل ادب پڑھے ہوئے طلبہ اول نظر میں انہیں سمجھ لیتے ہیں۔

دوسری طرف جو انگریزی نصاب مکمل نہیں کرتے انگریزی کتب ورسائل سے استفادہ سے قاصر رہتے ہیں، قاصر تو وہ بھی رہتے ہیں جو نصاب ہی کی حد تک محدود رہتے ہیں اور مطالعہ کے ذریعہ علم زبان کے فروغ کی طرف متوجہ نہیں ہوتے لیکن ظاہر ہے کہ جنہوں نے انگلش بک 3 / کے آگے کچھ دیکھا ہی نہ ہو زیادہ عاجز ہوں گے۔ اس لیے باہمت طلبہ کو میرا مشورہ یہ ہے کہ درس میں اگرچہ کسی ایک زبان کو رکھیں مگر خارجی کسی بھی ذریعہ سے وہ دوسری زبان کی بھی تکمیل کریں اور دونوں زبانوں سے متعلق غیر نصابی کتب ورسائل کثرت سے دیکھیں اور لکھنے اور بولنے کی بھی خوب مشق کریں اس طرح وہ بہت کارآمد انسان بن سکتے ہیں۔

[۲] عالم دین سے لوگ اپنے روزمرہ کے مسائل ضرور پوچھتے ہیں اور اسے خود اپنے عمل کے لیے بھی مسائل سے آگاہی ضروری ہے اس لیے ہر طالب علم کا فرض ہے کہ مکمل "بہار شریعت" کا مطالعہ ضرور کرے اور بار بار مراجعت کرتا رہے تاکہ ضروری مسائل ازبر رہیں۔

اسی طرح اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے کلامی وفقہی رسائل ضرور دیکھے ان میں وہ علمی خزانے ہیں جو کہیں اور شاید ہی دستیاب ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی کتابیں غور سے نہیں پڑھی ہیں ساری درسیات پڑھنے پڑھانے کے بعد بھی بہت سے مسائل میں ان کی سطحیت بالکل عیاں ہوتی ہے۔

[۳] تجوید وقراءت بقدر ضرورت کم از کم صحت مخارج کے ساتھ قرآن کی قراءت ہر ایک پر فرض ہے اس سے کوئی طالب علم ہرگز عاری نہ ہو۔

[۴] حالات زمانہ سے آگاہی۔ مخالفین کی حرکتوں سے واقفیت کے لیے مختلف کتب ورسائل کا مطالعہ کرتا رہے۔ سیرت، تاریخ، حساب، جغرافیہ وغیرہ کی بنیادی تعلیم جو ابتدائی درجات میں شامل ہے، مطالعہ کے ذریعہ ان میں اور وسعت پیدا کرے۔

[۵] کتب حدیث کی ایک محدود مقدار داخل نصاب ہے مطالعہ میں کم از کم پوری "مشکوٰۃ المصابیح" ضرور دیکھے۔

[۶] تدریس، تقریر، مناظرہ ہر ایک کا ملکہ پیدا کرے تاکہ وقت ضرورت عاجز نہ رہے اور اس کا دائرہ کار بھی وسیع ہو۔ بعد میں اگر سارے کام بخوبی نبھا لیتا ہے تو بہت خوب ورنہ جیسی ضرورت ہوگی ویسا کر سکے گا۔

[۷] تقریر وتحریر کے ذریعہ جو بھی بیان ہو اس کی اچھی طرح جانچ کر لی جائے کہ وہ صحیح ومستند ہے اس کا اصل اور قوی ماخذ ذکر میں نہ آئے تو بھی معلوم ومحفوظ ضرور ہو ورنہ نقل در نقل میں بہت سی ایسی باتیں بھی در آتی ہیں جو منطقی وعقلی اور شرعی اعتبار سے غلط ہیں یا غیر معتبر اور ناقابل بیان ہیں، تنقیدی وتحقیقی نظر پیدا کرنا بہت ضروری ہے۔

[۸] زبان وبیان کی غلطیوں سے بھی اپنی تحریر وتقریر کو ہر طرح محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ "میں نے آیت پڑھا، تم نے حدیث سنا، خدا کے احکامات، اس امر کی وجوہات، رسومات" وغیرہ جیسی تراکیب والفاظ سے بھی بچنا چاہئے۔ معطوف، معطوف علیہ دونوں عربی یا فارسی یا ایک عربی اور ایک فارسی ہو تو حرف عطف "و" درست ہے مگر کوئی ایک ہندی یا انگریزی ہو تو وہاں "و" کے بجائے "اور" ہونا چاہیے۔ اس طرح کی اور بھی چیزیں ہیں جو اس دور کے معروف قلم کاروں کے یہاں بھی در آئی ہیں۔ شاید کہ بروقت ان کی اصلاح کرنے والا کوئی نہ ملا۔ مبتدیوں کی غلطیاں تو بہت ہیں۔ انھیں اساتذہ سے

معلوم کرنا چاہیے۔

بولنے اور لکھنے سے پہلے اپنے سامع وقاری کو متعین کریں اور وہ جس سطح کے ہوں اسی سطح کی گفتگو کریں اور زبان میں بھی اس کی رعایت کریں، مخلوط ہوں تو دونوں کی رعایت کریں۔ اخبار اور عوامی رسائل کے لیے زبان بہت آسان اور عام فہم ہونی چاہیے، ادبی رسائل کے لیے ادبی اور تحقیقی۔ مگر مشکل الفاظ، پیچیدہ تراکیب اور خفی استعارات وکنایات سے احتراز ہر جگہ ضروری ہے۔

[۹] باہمی نزاعات سے دور رہیں اور کسی جگہ کوئی اختلاف رونما ہو تو اصلاح ومصالحت کی تدبیر کریں۔ دردمندی اور اخلاص سے کوشش ہوئی تو کامیاب ہو یا ناکام اس کا اجر ان شاءاللہ ضرور حاصل ہوگا۔

[۱۰] دوسروں کی تنقیص، جماعت میں کام نہ ہونے کا ماتم، اپنی براءت کا اثبات اور دوسروں پر الزام آج کل ایک محبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ حالاں کہ اس کا حاصل اپنوں سے بدگمانی اور تضییع اوقات کے سوا کچھ بھی نہیں۔ ہو سکے تو خود کچھ کریں یا جو لوگ کر رہے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔

[۱۱] طالب علم اپنے افکار و خیالات، کردار واخلاق، ہمیشہ پاکیزہ و بلند رکھے۔ پست حرکتوں کا خیال آنے پر بھی اپنا محاسبہ کرے، دین وسنت کی پابندی اور خدا و رسول کی اطاعت ہی میں دنیا وآخرت کا بھلا جانے، آزادوں کی آسائشوں اور رنگینیوں سے کبھی متاثر ومرعوب نہ ہو، نہ ہی ان کے حصول کی خاطر اپنے افکار واخلاق کی دنیا تاراج کرنے کا خیال دل میں لائے، شریعت کی خلاف ورزی کو زہر قاتل یا آتش مہلک جانے، فرائض وواجبات کی پابندی میں عوام سے کمتر ثابت نہ ہو بلکہ آداب ونوافل میں بھی ان کے لیے نمونہ اور مقتدا بنے۔

[۱۲] عمر انسانی چند روزہ ہے اور کام بے شمار لیکن رب تعالیٰ نے انسان میں

قوت واستعداد بے پناہ رکھی ہے، قوت کو فعل کی منزل میں لانے کے لیے جد وجہد درکار ہے، آدمی کو چاہیے کہ خود کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائے اور کسی بھی بڑے سے بڑے کام کو انجام دینے کی لیاقت اور حوصلہ پیدا کرے، رب تعالیٰ کی نصرت وحمایت کارساز ہوگی۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی کسی خدمت پر نہ مغرور ہو نہ احساس کمتری کا شکار ہو کر دست کش ہو۔

[۱۳] کوئی اہم اقدام کرنا ہو، یا ادارہ یا انجمن بنانی ہو تو لوگوں سے مشاورت ضرور کریں تا کہ بے خبری میں اقدام کے بعد رسوائی یا ناکامی کا سامنا نہ ہو---- رائے دینے والوں میں کئی طرح کے لوگ ہوں گے۔

[۱] زیادہ وہ ہوں گے جو آپ کا منصوبہ اور اس کی افادیت سننے کے بعد فوراً داد وتحسین سے نوازیں گے اور اپنی حمایت کا یقین دلائیں گے، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کے سامنے صرف ایک رخ ہوگا، مضرت یا مشقت سے وہ ناآشنا ہوں گے۔

[۲] کچھ وہ تجربہ کار اور سن رسیدہ لوگ ہوں گے جو کام کی اہمیت، راہ کی دشواری اور آپ کی کم سنی وناتجربہ کاری دیکھ کر آپ سے بات کرنا بھی مناسب نہ سمجھیں گے اور کسی طرح اپنے سر سے آپ کو ٹالنے کی کوشش کریں گے۔

[۳] کچھ وہ ہوں گے جو راہ کی مشکلات اور دشواریاں بتا کر آپ کو اس قدر سراسیمہ کر دیں گے کہ آپ اپنے منصوبہ سے دست بردار ہونے ہی میں ہر طرح کی عافیت محسوس کریں گے۔

[۴] کچھ وہ ہوں گے جو کام کی اہمیت اور افادیت تسلیم کرنے کے ساتھ راہ کی مشکلات اور ان کا مناسب حل بھی بتائیں گے۔ یہی حضرات آپ کے لیے کارآمد ہوں گے جو بڑی مشکل سے ملیں گے۔ سب کی باتیں سننے اور نوٹ کرنے کے بعد آپ اپنے حالات اور اپنے امکانات کا بے لاگ جائزہ لیں۔ اگر مشکلات کو سر کرنے کے ساتھ کامیابی کی توقع راجح

اور غالب نظر آئے تو اقدام کریں ورنہ وسائل اور امکانات پر قابو پانے تک ملتوی کریں یا کسی دوسرے رخ، دوسری صورت یا دوسرے کام پر غور کریں۔ جسے آسانی یا دشواری کے ساتھ مکمل کرسکیں۔

اس پر یقین رکھیں کہ انسان حرکت وعمل ہی سے بقائے دوام پاتا ہے۔ اس لیے خود کچھ کرنے کی صورتیں سوچیں اور عمل میں لائیں۔ دوسروں کا محاسبہ، ان پر نقد وتبصرہ اور ان کی تنقیص کا کوئی خاص حاصل نہیں۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی شخص تھوڑا بھی دینی کام کررہا ہے تو اس کی قدر کی جائے، صرف اپنے کام کی قدر اور دوسروں کے کام کی تحقیر ایک مذموم رویہ ہے جس سے بہت سی خرابیاں جنم لیتی ہیں۔ اس بارے میں حافظ ملت حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مبارک پوری قدس سرہ بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی ذات مشعل راہ ہے۔ وہ ہر عامی وعالم کی، جو کوئی ادارہ چلا رہا ہو یا کوئی بھی چھوٹی موٹی دینی علمی خدمت انجام دے رہا ہو، حوصلہ افزائی کرتے، کلمات خیر سے یاد کرتے، غائبانہ بھی اس کا اچھا تذکرہ کرتے جس کے باعث وہ اپنی خدمت میں اور مستعد ہوجاتا، اسے اور ترقی دیتا اور ملت کا فائدہ، بہر حال ہوتا۔

فرائض وآداب متعلم

[از: احیاء العلوم بہ ترجمہ وتلخیص واضافہ]

[۱] سب سے پہلے نفس کو برے اخلاق اور مذموم اوصاف سے پاک کرے کیونکہ "علم" قلب کی عبادت اور باطن کی نماز ہے۔ جس طرح ظاہر کی نماز طہارتِ ظاہر کے بغیر نہیں ہوسکتی یوں ہی عبادتِ باطن، طہارتِ باطن کے بغیر ممکن نہیں۔

چند اوصاف ذمیمہ

۱-محتاجی کا خوف ۲-تقدیر سے ناراضی ۳-خیانت ۴-کینہ ۵-حسد ۶-مومن کی بدخواہی ۷-جاہ طلبی ۸-ستائش پسندی ۹-کبر ۱۰-عُجب (دل میں اپنے کو بڑا سمجھنا) ۱۱-ریا ۱۲-غضب ۱۳-طمع ۱۴-بخل ۱۵-مالداروں کی تعظیم ۱۶-فقرا کی تحقیر ۱۷-زیادہ بولنے کی خواہش ۱۸-مخلوق کے لیے آراستہ ہونا ۱۹-اپنے عیوب چھوڑ کر دوسروں کے عیوب ڈھونڈنا ۲۰-فکر آخرت سے خالی ہونا ۲۱-دل سے خوف خدا اٹھ جانا ۲۲-مفاخَرت ۲۳-دنیا پر خوش ہونا ۲۴-دنیا کے فوت پر رنجیدہ ہونا وغیرہ وغیرہ۔

[۲] تعلقاتِ دنیا کم کرے اور اپنے کو اہل وطن سے دور رکھے کیوں کہ تعلقات سے فکر بٹ جاتی ہے جس کے سبب طالب، ادراک سے قاصر رہ جاتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے۔

العلم لا يعطيك بعضه حتى تعطيه كلك فاذااعطيته كلك فا نت من اعطاءه اياك بعضه على خطر.

"علم تمھیں اپنی ذات کا تھوڑا حصہ بھی اس وقت تک نہ دے گا جب تک تم اپنی ذات مکمل اس کے سپرد نہ کردو اور یہ کرنے کے بعد بھی یقینی نہیں کہ علم اپنا کچھ حصہ تمھیں عطا ہی کردے۔" (مفہوم)

[۳] علم پر تکبر نہ کرے اور معلم پر حاکم نہ بنے بلکہ اپنی لگام پورے طور پر اس

کے ہاتھ میں دیدے اور اس کی خیر خواہی پر یقین رکھے جیسے نادان مریض مہربان ماہر طبیب پر یقین رکھتا ہے اور معلم کے ساتھ بتواضع پیش آئے اور اس کی خدمت سے ثواب وشرف کا طالب ہو۔

تکبر کی نشانی یہ بھی ہے کہ صرف ان لوگوں سے استفادہ کی خواہش کرے جو لوگوں میں مشہور اور معزز ہوں۔ یہ عین حماقت ہے۔ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں بھی اسے پائے غنیمت سمجھے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تجھ پر عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے زیادہ سوالات نہ کر اور جواب کے لیے اسے سختی و پریشانی میں مبتلا نہ کر جب اس پر کسل طاری ہو تو اس سے اصرار نہ کر، جب اٹھنے لگے تو اس کا کپڑا نہ پکڑ، اس کا کوئی راز فاش مت کر، ہرگز اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کر اور ہرگز اس کی غلطی ولغزش کا جویاں نہ رہ اور اگر اس سے لغزش ہو جائے تو اس کا عذر قبول کر اور تیرا فرض ہے کہ اس کی تعظیم وتوقیر کر جب تک وہ امر الٰہی کی حفاظت کرتا رہے اس کے آگے نہ بیٹھ اور اگر اس کا کوئی کام آجائے تو اس کی خدمت میں دوسروں پر سبقت کر۔

[۴] طالب علم ابتدائے حال میں اختلافات پر کان لگانے سے بچے۔ خواہ اس کا مطلوب علوم دنیا ہوں یا علوم آخرت کیوں کہ اس سے اس کی عقل حیرت زدہ ہو جائے گی اور ذہن پراگندہ اس کی رائے میں فتور آجائے گا اور یہ اس کو علم وادراک سے مایوس کر دے گا۔ بلکہ چاہیے کہ پہلے ایک اچھا طریقہ جو اس کے استاذ کے نزدیک پسند ہو پختہ کرے پھر اس کے بعد مذاہب کے شبہات و دلائل کی طرف توجہ دے اور اگر اس کا استاذ کوئی ایک رائے نہ رکھتا ہو، اس کی عادت صرف اقوال و مذاہب کو نقل کر دینا ہو تو اس سے بچے، کیوں کہ اس کی گمراہی اس کی ہدایت سے زیادہ ہوگی۔

[۵] طالب علم پسندیدہ علوم میں سے کوئی فن اور اس کی اقسام میں سے کوئی قسم نہ

چھوڑے۔ کم از کم اس میں اتنی نظر حاصل کرے جس سے اس کے مقصد اور غایت پر آگاہ ہو جائے کہ اگر اس کی عمر اس کا ساتھ دے تو اس میں مہارت حاصل کرے ورنہ سب سے اہم علم میں مشغول ہو کر پورے طور سے اسے حاصل کرے اور بقیہ علوم سے تھوڑا تھوڑا سیکھ لے کیوں کہ علوم ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں اور ایک کا دوسرے سے ربط ہوتا ہے۔ طالب علم کو فوری طور پر اتنا فائدہ ضرور حاصل ہو جائے گا کہ اس علم سے آشنائی کے سبب اس علم کی دشمنی سے چھٹکارا پا جائے گا۔ " فان الناس اعداء لما جھلوا" " کہ لوگ اس کے دشمن ہوتے ہیں جسے جانتے نہیں۔"

[۶] فنون علم میں سے کسی فن میں یوں ہی بلا رعایتِ ترتیب مشغول نہ ہو بلکہ ترتیب کا لحاظ رکھے اور ابتدا اس علم سے کرے جو زیادہ اہم ہے کیوں کہ عموماً عمر سارے علوم کی گنجائش نہیں رکھتی تو ہوشیاری یہی ہے کہ ہر چیز سے بہتر کو حاصل کرے اور اپنی پوری قوت اس علم کی تکمیل میں صرف کرے جو اشرف علوم ہے اور وہ علم آخرت اور اللہ عز وجل کی معرفت ہے اور یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی گہرائی کی انتہا کا ادراک نہیں ہو سکتا۔

[۷] کسی فن میں اس وقت تک منہمک نہ ہو جب تک اس سے پہلے والا فن مکمل نہ کر لے کہ علوم ایک لازمی ترتیب کے ساتھ مرتب ہیں جن میں ایک دوسرے تک پہنچنے کا زینہ اور راستہ ہے اور خوش نصیب وہی ہے جو اس ترتیب اور تدریج کی رعایت کرے اور کسی صاحب فن کی غلطی دیکھ کر اس فن کو غلط نہ سمجھے بلکہ پہلے فن کا علم حاصل کرے، پھر اہل فن کی معرفت خود ہی حاصل ہو جائے گی۔

[۸] وہ سبب جان لے جس سے یہ پہچان سکے کہ کون علم اشرف ہے اور یہ دو چیزیں ہیں:

۱- ثمرے اور نتیجے کی شرافت وفضیلت۔

۲- دلیل کی پختگی ومضبوطی۔

جیسے علم دین اور علم طب----ایک کا فائدہ، حیات ابدیہ ہے اور دوسرے کا حیات فانیہ----ایسے ہی علم حساب اور علم نجوم کہ علم حساب اشرف ہے۔ کیوں کہ اس کی دلیلیں قوی اور مضبوط ہیں اور اگر "حساب" کا "طب" سے مقابلہ کریں تو "طب" اپنے ثمرہ کے اعتبار سے اشرف ہے، اور حساب اپنے دلائل کے اعتبار سے اشرف ہے اور ثمرے کا لحاظ بہتر ہے، اسی لیے علم طب اشرف ہے۔ اگر چہ یہ زیادہ تر ظن وتخمین پر مبنی ہے۔

اسی سے واضح ہوا کہ اشرف علوم اللہ عزوجل اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں سے متعلق علم ہے اور اس راستے کا علم جو اس تک پہنچانے والا ہے۔

[۹] طلب علم سے متعلم کا مقصد یہ ہو کہ فی الحال اپنے باطن کو فضائل وکمالات سے آراستہ کرے اور آخرت میں اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کا قرب پائے اور ملأ علیٰ کے جوار تک پہونچے۔ علم سے اس کا مقصد سرداری، مال، رتبہ، نادانوں سے لڑائی اور ہمسروں سے مفاخرت نہ ہو۔ اس لحاظ سے اس کا مطلوب وہی ہوگا جو اس کے مقصود سے قریب تر ہو اور یہ صرف علم آخرت ہے۔

اس کے باوجود اسے یہ نہ چاہیے کہ دیگر علوم کی طرف حقارت سے دیکھے۔ جیسے علم نحو ولغت جو کتاب وسنت سے تعلق رکھتے ہیں اور دیگر علوم جن کو ہم نے علوم مقصودہ کا مقدمہ یا تکملہ بتایا ہے اور جو فرض کفایہ ہیں۔ جس کا مقصود بھی اپنے علم سے ذاتِ الٰہی ہو خواہ وہ کوئی بھی علم ہو یقیناً اسے فائدہ اور سربلندی عطا کرے گا۔

[۱۰] یہ سمجھے کہ میرے مقصود کے لحاظ سے کون علم زیادہ مفید اور موثر ہے تا کہ قریب کو بعید پر اور اہم کو غیر اہم پر ترجیح دے سکے۔

فرائض وآدابِ معلم

جس نے تعلیم میں مشغولی اختیار کی تو ایک عظیم امر اور اہم ذمہ داری کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالا لہٰذا اس کے آداب وفرائض کی پابندی کرے۔

[۱] طالب علموں پر شفقت کرے اور ان کو اپنی اولاد کے درجہ میں رکھے، اس طرح کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ انہیں نار آخرت سے نجات دلائے گا اور یہ والدین کے اپنی اولاد کو نار دنیا سے بچانے سے زیادہ اہم ہے۔ اسی لیے معلم کا حق والدین کے حق سے زیادہ عظیم ہے کیوں کہ والد حیات فانی کا سبب ہے اور استاذ حیات باقی کا سبب ہے اور معلم وہی ہے جو اخروی دائمی زندگی بخشنے والا ہو یعنی وہ جو علوم آخرت کی تعلیم دے یا بقصد آخرت علوم دنیا کی تعلیم دے، نہ وہ جو کہ بقصد دنیا تعلیم دے کیوں کہ تعلیم بقصد دنیا ہلاکت اور اہلاک ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔

جس طرح ایک شخص کے فرزندوں کا حق یہ ہے کہ آپس میں محبت رکھیں اور تمام مقاصد میں ایک دوسرے کی مدد کریں اسی طرح ایک شخص کے شاگردوں کا حق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے الفت اور دوستی رکھیں اور اگر ان کا مقصد آخرت ہوگا، تو یہی ہوگا ورنہ اگر ان کا مقصد دنیا ہوگا تو آپس میں ایک دوسرے سے بغض وحسد نظر آئے گا کیوں کہ علما اور ابنائے آخرت دنیا کا راستہ طے کرتے ہوئے بارگاہ مولیٰ کا سفر کر رہے ہیں اور راستے کے دوران مسافرین میں ایک دوسرے سے محبت ودوستی ضرور ہوتی ہے۔ جب سفر دنیا کا یہ حال ہوتا ہے تو سفر آخرت کا کیا حال ہوگا۔

[۲] صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے علم کے افادے پر کسی عوض کا طالب اور کسی صلے اور شکریے کا خواہش مند نہ ہو بلکہ صرف خدا کی خوشنودی اور اس کا تقرب حاصل کرنے کے لیے تعلیم دے اور طلبہ پر اپنا کوئی احسان نہ سمجھے-----اگر چہ واقع کے لحاظ سے احسان ان پر لازم ہے۔ یہ خیال کرے کہ تعلیم کا ثواب تعلّم سے زیادہ ہے۔ اگر متعلم ہی نہ ہوتا تو یہ ثواب کیوں کر حاصل ہوتا۔ اجر کا طالب صرف اللہ تعالیٰ سے ہو۔

مال اور دنیا کی ساری چیزیں خادم بدن ہیں اور بدن نفس کی سواری ہے اور مخدوم علم ہے۔ کیوں کہ اسی سے نفس کا شرف ہے تو جو علم سے مال کا طالب ہو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو اپنے جوتے کے نچلے حصے سے اپنا چہرہ صاف کرے، کیوں کہ اس نے مخدوم کو خادم اور خادم کو مخدوم بنا دیا۔

معلم متعلم سے یہ امید رکھتا ہے کہ ہر مصیبت میں اس کا ساتھ دے۔ اس کے دوست کی مدد کرے اور اس کے دشمن سے دشمنی رکھے اور اس کے سامنے اس کی خدمت کے لیے دست بستہ کھڑا رہے اگر ذرا بھی اس نے اس کے حق میں کوتاہی کی تو معلم اس پر بھڑک اٹھتا ہے اور اس کا سب سے بڑا دشمن بن جاتا ہے۔ کس قدر گھٹیا ہے ایسا عالم جو اپنے لیے اس رتبے کو پسند کرے پھر اس پر خوش ہو۔ اس کے باوجود یہ کہتے ہوئے نہ شرمائے کہ تدریس سے میرا مقصد علم کی اشاعت اور اللہ تعالیٰ کی قربت اور اس کے دین کی حمایت ہے۔

[۳] متعلم کی خیر خواہی اور نصیحت ترک نہ کرے۔ اس طرح کہ اگر وہ کسی رتبہ کا مستحق ہونے سے پہلے اسے لے لینا چاہتا ہے تو اسے روکے اور علم جلی سے فراغت سے پہلے کسی علم خفی میں مشغول ہونا چاہتا ہے تو اسے منع کرے، پھر اس کو اس پر متنبہ کرے کہ **طلب علم** کا مقصد قرب خداوندی ہے نہ کہ شہرت وسرداری اور مفاخرت وخودنمائی اور جہاں تک اس سے ہو سکے اس کے دل میں اس کی برائی راسخ کرے۔ یوں کہ اگر وہ عالم، فاجر ہو گیا تو اس کا افساد اس کی اصلاح سے کہیں زیادہ ہوگا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو رنجیدہ دیکھ کر ان سے غم کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

صرنا متجراً لابناء الدنیا یلزمنا احدھم حتی اذا تعلم جعل قاضیا او عاملا او قھرمانا.

"ہم دنیاداروں کی منڈی ہو کر رہ گئے ہیں، آدمی ہم سے علم حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے، جب عالم ہو جاتا ہے تو قاضی بنا دیا جاتا ہے یا گورنر یا کوتوال۔"

[۴] فن تعلیم وتربیت کے نکات میں سے یہ ہے کہ متعلم کو برے اخلاق سے جہاں تک ہو سکے اشارہ وتعریض کے طور پر روکے، صراحت نہ کرے اور شفقت کے طور پر، نہ کہ توبیخ کے طور پر کیوں کہ تصریح، حجاب ہیبت چاک کر کے خلاف ورزی کی جسارت پیدا کر دیتی ہے اور اصرار کا شوق بڑھا دیتی ہے۔

[۵] جو شخص ایک فن یا چند فنون کی تعلیم کا ذمہ دار ہو اسے یہ نہ چاہیے کہ متعلم کے دل میں دیگر علوم کی برائی پیدا کرے، مثلاً لغت کا معلم، علمِ فقہ کی برائی بیان کرے اور فقہ کا معلم علم حدیث وتفسیر کی اہمیت گھٹائے کہ یہ تو محض نقل اور سماعت ہے جو بوڑھیوں کا کام ہے جولانیِ عقل کی اس میں کوئی گنجائش نہیں اور کلام کا معلم، فقہ سے نفرت دلائے اور کہے اس میں تو عورتوں کے حیض وغیرہ کی گفتگو ہے، صفات الٰہی کی بحث سے اس کو کیا نسبت؟

یہ سب معلمین کے اخلاق ذمیمہ ہیں جن سے بچنا چاہیے بلکہ ہر علم کے ذمہ دار کو یہ چاہیے کہ متعلم کے لیے دوسرا علم حاصل کرنے کی راہ کھولے اور اگر چند علوم پڑھاتا ہو تو متعلم کو ایک منزل سے دوسری منزل تک ترقی دینے میں تدریج کا لحاظ رکھے۔

[۶] متعلم کو اس کی فہم کے مطابق بتائے۔ ایسی بات اس کے سامنے پیش نہ کرے جس تک اس کی عقل کی رسائی نہ ہو کیوں کہ اس سے وہ اس علم سے متنفر ہو جائے گا یا اس کی عقل خبط میں مبتلا ہو جائے گی۔

[۷] کم درجہ متعلم کے سامنے واضح بات پیش کرنی چاہیے جو اس کے لائق ہو اور اس کے سامنے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہیے کہ اس بات کے علاوہ ایک اور تحقیق وتدقیق ہے جو ابھی تمہیں بتانے کے قابل نہیں کیوں کہ اس سے اس واضح بات میں بھی اس کا شوق کم ہو جائے گا، اس کا دل پراگندہ ہوگا اور یہ خیال کرے گا کہ معلم بتانے میں بخل کر رہا ہے۔ کیوں کہ ہر شخص اپنے کو ہر دقیق، علم کا اہل سمجھتا ہے------سب سے بے وقوف اور کم عقل بھی اپنے کمال عقل پر نازاں نظر آتا ہے۔ اسی سے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ عوام جن عقائد اور احکام حقّہ کو جانتے ہوں اور ان سے متعلق ان کا اعتماد قوی ہو چکا ہو ان میں ان کی

عقل سے زیادہ کلام نہ کرے کہ یہ ان کی پختگی کے بجائے ان کی گمراہی اور پریشان خاطری کا سبب ہوسکتا ہے۔

[۸] معلم اپنے علم پر عمل پیرا بھی ہو۔اس کا فعل اس کے اقوال کی تکذیب نہ کرتا ہو کیوں کہ علم کا ادراک، بصیرت سے ہوتا ہے اور عمل کا ادراک، بصارت سے اور ارباب بصارت زیادہ ہیں۔ جب اس کا عمل اس کے علم کے مخالف ہوگا تو کارِ ہدایت اس سے سرانجام نہ ہوگا۔ جو شخص خود کوئی چیز کھائے اور دوسروں سے کہے کہ تم اسے نہ کھانا یہ زہر قاتل ہے تو لوگ اس کا مذاق اڑائیں گے اور اس چیز کی طرف ان کی رغبت بڑھ جائے گی۔ وہ کہیں گے کہ اگر یہ سب سے لذیذ و پاکیزہ چیز نہ ہوتی تو وہ تنہا اپنے لیے اس کو خاص نہ کرتا۔

لا تنه عن خلق و تأتی مثله
عار عليك اذا فعلت عظيم

"ایسا نہ ہو کہ کسی عادت سے لوگوں کو روکو اور خود کرو، اگر ایسا ہوا تو بڑے ننگ و عار کی بات ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴿البقرہ۲.٤٤﴾

"کیا لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو۔"

اسی لیے معاصی میں عالم کا گناہ جاہل سے بڑا ہے۔ کیوں کہ عالم کے پھسلنے سے کثیر عالَم پھسل جاتا ہے اور اس کی اقتدا کرنے لگتا ہے۔ جو کوئی برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ ہے اور ان سب کا گناہ جو اس پر عمل کریں۔

ارشاد نبوی ہے:

ان اشدالناس عذابا یوم القیامة عالم لم ينفعه الله بعلمه .

"قیامت کے دن سب سے سخت عذاب اس عالم کا ہوگا جس کا علم خود اس کے لیے نفع بخش نہ ہوا۔"

اور فرمایا گیا ہے:

یکون فی آخرالزمان عبادجهال وعلماء فساق

"آخری زمانے میں جاہل عبادت گذار اور فاسق علما ہوں گے۔"

ایک اور حدیث میں ہے:

من ازدادعلماولم یزددهدی لم یز ددمن الله الابعدا

"جس کا علم زیادہ ہو اور ہدایت و عمل میں ترقی نہ ہو تو اللہ سے اس کی دوری بھی زیادہ ہی ہوگی۔"

اور ایک حدیث ہے:

لایکون المرءعالماحتیٰ یکون بعلمه عاملاً

"اس وقت تک آدمی عالم نہ ہوگا جب تک اپنے علم پر عامل نہ ہو۔"

فرمایا گیا ہے: ہر عالم کے پاس نہ بیٹھو مگر ایسے عالم کے پاس جو تمہیں پانچ چیزوں کی طرف لے جائے۔

۱- شک سے یقین کی طرف۔
۲- ریا سے اخلاص کی طرف۔
۳- رغبت دنیا سے زہد کی طرف۔
۴- کبر سے تواضع کی طرف۔
۵- دشمنی سے خیر خواہی کی طرف۔

یا واعظَ الناسِ قداصبحتَ متهَما
اذعبت منك امور اانتَ تاتیها

"اے لوگوں کو نصیحت کرنے والے! تو قابل اعتبار نہ رہا۔ کیوں کہ جن امور کو تو کرتا ہے انہیں کو دوسروں کے لیے معیوب بتاتا ہے۔"

اصبحت تنصحهم بالوعظ مجتهدا
فالمو بقات لعمری انت جانیها

"تو محنت کر کے وعظ کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت کرتا ہے پھر خود ہی سارے مہلکات کا مرتکب ہوتا ہے۔"

تعیب دنیاالناس راغبین لها
و انت اکثر منهم رغبةً فیها

"تو دنیا اور دنیا کی طرف رغبت رکھنے والے لوگوں پر عیب لگا تا ہے اور خود سب سے زیادہ دنیا کی رغبت رکھتا ہے۔"

(مذکورہ دونوں باب احیاء علوم الدین للامام محمد بن محمد بن محمد الغزالی قدس سرہ (۴۵۰-۵۰۵ھ) کے"باب آداب المتعلم و المعلم "کا خلاصہ وترجمہ ہیں------ جسے بنظر غائر پڑھنا، بگوش دل سننا اور بخلوص قلب عمل میں لانا حال اور مآل کی تابنا کی کا ضامن ہوگا۔ واللہ الهادی والموفق و نعم المولیٰ و نعم النصیر۔ مصباحی)

ملی وجماعتی مسائل

ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، وہ اہل حق کے لیے بڑا ہی صبر آزما اور بہت زیادہ ہمت وحوصلہ اور فعالیت کا طالب ہے۔ شکوہ شکایات اور اپنی بے بسی کا ماتم بند کر کے امکانات پر غور کرنے اور کچھ کرنے کے لیے قدم آگے بڑھانے کی ضرورت ہے اور امت کی رہنمائی اور دین کی تبلیغ واشاعت علمائے کرام کا ملی فریضہ ہے جو خود بہت ساری ذمہ داریوں کو اپنے کاندھوں پر اٹھانے اور انہیں نبھانے کی دعوت دیتا ہے۔ اب کوئی مخلص ملی و جماعتی مسائل کی گتھیوں کو سلجھانے کا بار اگر اپنے سر اٹھا لیتا ہے تو وہ ذاتی غرض کے لیے نہیں اٹھاتا بلکہ اس کا یہ عمل اسی فرض میں اعانت کے لیے ہوتا ہے جو خدا اور رسول کی جانب سے اس پر عائد ہوتا ہے اور دور حاضر میں عائد ہونے والے مسائل کی کثرت اہل حق پر مخفی نہیں اور منظم طور پر کام کرنے کا شدید احساس بھی۔ مگر پیش قدمی کیوں نہیں کرتے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر بڑے کام کے لیے باصلاحیت افراد اور سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر افراد موجود ہوں اور وسائل مفقود تو کوئی کام نہیں ہوسکتا، اسی طرح کام کے لیے اگر سرمایہ اور وسائل فراہم ہیں مگر لائق افراد دستیاب نہیں تو ہوسکتا ہے کہ سارا سرمایہ خرد برد ہو جائے اور کام کچھ بھی نہ ہو پائے یا سرمایہ تو کسی قدر محفوظ رہے مگر جتنا اور جیسا کام ہونا چاہیے ویسا نہ ہو سکے۔ اس لیے بیش تر حضرات ایسے ہی ہیں جو افراد اور وسائل دونوں کو یکجا کر کے کام آگے بڑھانے کے تصور ہی سے خائف اور لرزاں وترساں ہیں اور ہر کام اپنے کسی دردمند کرم فرما اور حوصلہ مند کار آزما کے انتظار میں پڑا گریاں اور محو نالہ وفغاں ہے اور جو یلغار ہماری جماعت پر عالمی اور ملکی سطح پر ہو رہی ہے اور تمام فرقے مسلک اہل سنت کی بیخ کنی کے لیے برسر پیکار ہیں وہ الگ۔ اس پر مستزاد یہ کہ بیشتر حضرات اہل باطل کی

تنظیموں کو منظم طرز پر کام کرتے اور انہیں آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوئے کہ اپنے علما کی خدمات کا اعتراف اور ان کی حوصلہ افزائی بھی گوارا نہیں کرتے بلکہ یہ تصور دیتے ہیں کہ ہمارے یہاں کچھ نہیں ہو رہا ہے یا جو کچھ ہو رہا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ شاید وہ ان حقیقتوں سے آشنا نہیں:

[۱] اہل سنت کے علاوہ تمام فرقے باطل ہیں۔ ان میں کچھ قدیم ہیں اور زیادہ تر نئے اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ جب بھی کوئی نئی جماعت یا پارٹی وجود میں آتی ہے تو اس کے اندر اپنے بڑھاؤ اور پھیلاؤ کے لیے جوش عمل بہت زیادہ ہوتا ہے۔

[۲] جو جماعت جتنی ہی چھوٹی ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ منظم ہوتی ہے۔ منکرین اسلام میں اس کی مثال یہود ہیں اور مدعیان اسلام میں قادیانی۔

[۳] جو جماعت جتنی بڑی ہوتی ہے اس کی تنظیم اتنی ہی زیادہ مشکل ہوتی ہے اور اس میں انتشار وافتراق اسی حساب سے سہل اور آسان ہوتا ہے۔

[۴] اہل حق کی راہ میں شیطان طرح طرح کے موانع پیدا کرتا ہے جب کہ اہل باطل کے لیے اشاعت باطل کی راہ میں زبردست محرک بلکہ معاون بھی بنتا ہے۔ ہاں خدا کے مخلص بندوں پر اس کا زور نہیں چلتا اور انہیں کے دم قدم سے حق کی بقا وابستہ ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے:

من عمل بدعةً خلاه الشیطان فی العبادة و القی علیه الخشوع و البکاء. (ابو نصر والدیلمی عن انس رضی الله عنه. کنز العمال)

"جو کسی بدمذہبی پر کاربند ہو جاتا ہے شیطان اس کو عبادت گزاری میں چھوڑ دیتا ہے اور اس کے اوپر خشوع اور گریہ وزاری کی کیفیت ڈال دیتا ہے۔"

بدمذہبوں کی یہ کیفیت دیکھ کر کتنے ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یہ شیطانی منصوبے کے عین مطابق ہے۔

یہ میں نے جو ابتدائی باتیں ذکر کی ہیں اب حالات کی روشنی میں ان کا جائزہ لیجئے۔ آج زیادہ فعال اور متحرک جتنے فرق باطلہ ہیں سب سو ڈیڑھ سو سال کے اندر کی پیداوار ہیں۔ اہل سنت کے مقابلہ میں ان کی افرادی تعداد بھی بہت کم ہے۔ مگر جوش عمل اور فروغ مذہب کے لیے ان کی کاوشیں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔ سب سے چھوٹی جماعت قادیانی ہے اس کے یہاں تنظیم سب سے زیادہ ملے گی۔ بیشتر ممالک اور شہروں میں ان کے فعال دفاتر قائم ہیں، سرمایہ کاری اور مالی توانائی کا زبردست انتظام ہے، لٹریچر کی بہتات ہے، ہر مذہب کے ماہرین ان کے مراکز میں تیار رکھے گئے ہیں، اسلام کا نام سب سے زیادہ وہ لیتے ہیں، غیر مسلموں کے خلاف سب سے زیادہ وہ لکھتے اور چھاپتے ہیں۔ دیگر فرقوں میں بھی کسی قدر تنظیم اور حرکت ملے گی، اپنی جماعت کو بڑھانے پھیلانے کا جذبہ اور دوسروں کو جلد سے جلد اپنا بنانے کا حربہ ان میں ہر وقت سرگرم عمل نظر آئے گا۔ مثلاً وہ:

۱- ادارے کثرت سے کھولتے ہیں، اس کے لیے بجٹ کی فراہمی بھی بڑی مہارت سے کرتے ہیں، معلم بھی عموماً اچھے چنتے ہیں۔

۲- اہل سنت کے اداروں، مسجدوں اور انجمنوں کو بھی اپنانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے لیے ہر جھوٹ اور فریب روا رکھتے ہیں۔

۳- اپنے افراد کو عصری اور دینی دونوں طرح کی تعلیموں میں لگاتے ہیں۔

۴- ان کے عوام بھی ایک فعال مبلغ کا کام انجام دیتے ہیں، سنی غیر سنی جس کو پا جائیں تبلیغی اجتماع میں شرکت پر زور دیتے ہیں۔ اپنی مسجد میں پہنچنے کی دعوت دیتے ہیں، غریب سنیوں کو تلاش کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ اپنے بچوں کو ہمارے حوالے کر دیں ہم ان کی بہترین تعلیم کا انتظام کریں گے اور سارے اخراجات بھی ہم برداشت کریں گے اس طرح بے شمار افراد اور گھرانے ان کی گود میں پہونچ گئے۔

۵-تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ وغیرہ کی کتابیں لکھتے ہیں اور ان میں اپنی بدمذہبی کا زہر پوری چابک دستی سے شامل کردیتے ہیں پھرایک مفسر، محدث، مورخ کی حیثیت سے اپنی تشہیر کرتے ہیں، اپنی کتابوں کی تشہیر کرتے ہیں، غیر جانب دار آدمی ان کی کتابیں پڑھے یا نہ پڑھے لیکن اتنی بات مان لیتا ہے کہ انھوں نے اسلام کی زبردست خدمت انجام دی ہے۔اس طرح وہ ان پر اعتماد کرنے لگتا ہے اور ان کا زہر بھی آسانی سے پی جاتا ہے۔

۶-اہل سنت سے ملتے ہیں تو اتحاد کی بات کرتے ہیں اور طرح طرح سے یہ بتاتے ہیں کہ اس وقت عالم اسلام اور مسلمانوں کو بیرونی چیلنجوں کا سخت مقابلہ ہے اس لیے اندرونی اختلافات ختم کر کے ہم سب کو متحدہ کوشش کی ضرورت ہے اس طرح وہ عوام کو عقائد میں مذبذب بنا دیتے ہیں اور خواص کا رخ بھی پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔دوسری طرف عملی میدان میں ان کا کردار یہ ہے کہ کسی سنی کو کسی ادارے میں دیکھنا نہیں چاہتے مثلاً علی گڑھ میں بعض سنی مدارس کے اسناد کی منظوری کے لیے کاغذات پہونچے تو انہوں نے پہلی کوشش یہ کی کہ وہ معادلہ بورڈ کی میٹنگ میں پہنچنے ہی نہ پائیں۔ پہنچ گئے تو بڑی باریک بینی سے کاغذات میں نقص بتا کر روک دیا، منظوری کا مرحلہ قریب آ گیا تو ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ منظور نہ ہوں۔منظور ہو گئے تو یہ کوشش کی کہ طلبہ کو نا اہل بتا کر داخلہ سے محروم کر دیا جائے۔کسی لکچرر، ریڈر، یا پروفیسر کی جگہ نکلی تو اولاً یہ کوشش ہوگی کہ کوئی سنی امیدوار پہنچنے نہ پائے، پہنچ گیا تو کسی طرح انٹریو میں ناکام ہو جائے، اس میں بھی کامیاب ہو گیا تو بااختیار افراد پر زور ڈال کر اسے روک دیا۔

تفسیر، حدیث، فقہ کسی بھی فن میں اہل سنت کی جو خدمات ہیں ان کا تذکرہ کسی طرح نہ آنے دیں گے۔کوئی اگر ان کی کتابیں دیکھنا ہی چاہے تو پوری کوشش یہ کریں گے کہ وہ دیکھنے نہ پائے۔

الغرض مسلکی تعصب کے معاملہ میں وہ انتہا پسندی کے حامل ہیں اور ہر طرح کی رذالت پر اتر آتے ہیں۔ساتھ ہی اتحاد کا نعرہ بھی بلند کرتے ہیں اور اہل سنت کی تشہیر فسادی اور جھگڑالو کی حیثیت سے کرتے ہیں۔

ان کے پاس مکائد اور شیطانی فکر کی کمی نہیں، دروغ بافی ان کا مذہب ہے، خدا کے لیے کذب ممکن مانتے ہیں، تقیہ شیعوں کا مذہب ہے مگر تقیہ پر عمل کے میدان میں شیعوں کو ان سے بہت پیچھے پائیے گا۔بہت پہلے انہوں نے عصری درسگاہوں پر قبضہ جما لیا اور ہمارے پرانے لوگ جو وہاں تھے انھوں نے آئندہ کے لیے اپنے کسی جانشین کی فکر نہ کی، انہوں نے یہ سمجھا ہوگا کہ اصول وضوابط کی روشنی میں جو اہل ہوگا وہ جگہ پائے گا۔انہیں کیا خبر کہ یہ گھس پیٹھ والی قوم جب سامنے آئے گی تو اصول وضوابط کی مٹی پلید ہو جائے گی۔

اس کے برخلاف اہل سنت کا حال یہ ہے کہ گنے چنے چند مخلصین کو چھوڑ کر اکثر و بیشتر شیطانی مکائد کا شکار ہوتے رہتے ہیں مثلاً کوئی تنظیم بنی تو قطع نظر اس کے کہ تنظیم کے مقاصد کیا ہیں اور ہم اس کے لیے وقت دے پائیں گے یا نہیں، اس کی کامیابی کے لیے کس قدر جد و جہد اور معاونت کی ضرورت ہے----- ہمارا نام اگر نمایاں طور پر اس میں شامل نہیں تو اس کی مخالفت ضروری ہے، بہت رعایت سے کام لیا تو یہ کہ ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں، اس کے لیے کوئی کلمہ خیر کہنے کو تیار نہیں البتہ اس سے متعلق تشکیک اور اندیشوں کا اظہار ضروری ہے۔

کسی گروپ، کسی ادارے، کسی شخص سے اپنی انا کو ذرا ٹھیس پہنچی تو معافی تلافی، صلح ومصالحت کی کیا بات، اس سے سخت سے سخت انتقام لینا اور اس کی راہ میں ہر پست سے پست سطح سے گزر جانا فرض منصبی میں داخل ہے۔ضرورت کی جگہوں پر دعوت وتبلیغ کے لیے وقت نہیں، سرمایہ نہیں، وسائل نہیں، مگر انتقام کے لیے وقت بھی ہے، سرمایہ بھی

ہے، وسائل بھی ہیں، تو دولت بھی ہے۔ گویا اسی کام کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور اسی راہ میں جھونک رہا ہے۔ یہ کوئی دو چار افراد کا حال نہیں بلکہ یہ صورت حال ہمارے درمیان برابر رونما ہوتی رہتی ہے۔ اب آپ بھی سوچیے اس تناظر میں جماعت اور ملت کا کام کیسے ہوگا؟

اور جب بھی کسی ضروری اور اہم کام کی بات آتی ہے تو اپنی برأت کے لیے یہ کہہ کر تسلی حاصل کر لی جاتی ہے کہ یہ کام فلاں ادارے، فلاں خانقاہ یا فلاں شخصیت کو کرنا چاہیے۔ ان کے پاس افراد بھی ہیں اور وسائل کی بھی فراوانی ہے، ہمارے پاس تو کچھ بھی نہیں، ہم کیا کر سکیں گے۔ اسی طرح جماعت کو بڑھانے، پھیلانے، اتحاد اور تنظیم کے لیے سوچنے کی بھی فرصت نہیں اور کبھی سوچا تو مشکلات کا تصور کر کے سپر انداز ہو گئے۔ یا خود کو غیر ذمہ دار ٹھہرائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کام تو فلاں فلاں کو کرنا چاہیے۔ ان کے پاس قوت ہے، وقت ہے، وسائل ہیں۔ ہم تو بالکل تہی دامن ہیں۔ تدافع اور تواکل کی اس کیفیت نے ملت کو بہت پیچھے ڈال دیا ہے--------جب کسی قوم پر ادبار آتا ہے تو اس کی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ سب ایک دوسرے کو الزام دے کر اور ایک دوسرے کا شکوہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں اور سلطنت ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔ مخالف میدان خالی پاتا ہے اور علاقے کا علاقہ بغیر کسی مزاحمت کے فتح کرتا چلا جاتا ہے۔ بے حس قوم کو اس پر بھی ہوش نہیں آتا اور دوسرے کی غلامی کا قلادہ گردن میں ڈال کر چین سے سو جاتی ہے یا موت کے گھاٹ اتر کر ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جاتی ہے۔

اور بالفرض کوئی آگے بڑھا اور اس نے کچھ کام شروع کر دیا تو اس کی معاونت، حمایت یا کم از کم زبانی موافقت اور قلبی ہمدردی کے بجائے اس کا انتظار ہوگا کہ کب وہ ٹھوکر کھا کر گرے اور ہمیں ایک فرحت بخش منظر دیکھنے کو ملے۔ یہ بھی کم ہے، کچھ تو اس کوشش میں ہوں گے کہ وہ کام ہی نہ کر سکے ورنہ نیک نام ہو جائے گا، پھر ہماری حیثیت گھٹ جائے گی۔ اہل حق کے اندر تنافس و تحاسد اور اختلاف و نزاع کی ان لاعلاج

بیماریوں کا تذکرہ احادیث میں بھی موجود ہے۔ مستثنیٰ وہی مخلصین ہیں جن کے بارے میں ابلیس بھی اعتراف کر چکا ہے۔

وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿الحجر: ٤٠﴾

"ضرور ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر تیرے مخلص و منتخب بندوں پر میرا بس نہیں چلے گا" (یہاں قراءت متواترہ میں مخلصین بکسر لام وبفتح لام دونوں ہے اس لیے دونوں حجت ہے)

ان ہی مخلصین کے دم قدم سے حق کی بقا اور سرفرازی وابستہ ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا۔ یہ حدیث بھی برحق ہے:

ان اللہ لیؤید ہذا الدین بالرجل الفاجر (بخاری ومسلم)

"بے شک اللہ فاجر شخص سے بھی اس دین کو قوت پہنچاتا ہے۔"

فاجر کا لفظ اپنے معنی عام کے لحاظ سے فاسق، بدمذہب، کافر سب کو شامل ہے۔ اس لیے ان کے ذریعہ اگر دین کا کوئی کام ہو رہا ہے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ احکم الحاکمین غیروں سے بھی کام لیتا ہے، حقانیت کا معیار عمل نہیں، عقائد صحیحہ ہیں اور رب تعالیٰ کے نزدیک مقبولیت کا معیار عقائد صحیحہ راسخہ اور اعمال حسنہ خالصہ دونوں کا حسین اجتماع ہے۔ وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم جس دور سے گزر رہے ہیں وہ اہل حق کے لیے بڑا ہی صبر آزما اور بہت زیادہ ہمت وحوصلہ اور فعالیت کا طالب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل عظیم ہے کہ اس ماحول میں بھی بہت سے ادارے، بہت سے افراد اور بہت سی تنظیمیں گراں قدر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ انہی کے باعث ملت کی کشتی طوفانوں کی زد پر بھی کسی حد تک رواں دواں ہے۔ ان کی خدمات کا

اعتراف اور ان کی حوصلہ افزائی بہت ضروری ہے۔ہم اس فکر کی تائید ہرگز نہیں کر سکتے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں اور جو نہیں ہو رہا ہے وہی سب کچھ ہے۔نہیں! جو نیک کام ہو رہا ہے وہ بھی اہم اور قابل قدر ہے اور جو ضروری کام نہیں ہو رہا ہے وہ بھی اہم اور قابل توجہ بلکہ واجب العمل ہے۔

میں آگے بطور نمونہ چند اہم کام شمار کراؤں گا۔مقصد یہ ہے کہ ان پر غور کیا جائے اور انہیں بروے کار لانے کی فکر کی جائے۔یہ بھی ذہن میں رہے کہ آج ایسے کاموں کو اپنایا جاتا ہے جو عمومی نوعیت کے ہوں اور سب کے لیے باعث کشش بنیں۔

مثلاً قرآن کریم کی تفسیر یا کسی مشہور کتابِ حدیث کی شرح لکھی جاتی ہے جو ہر طبقے کے لیے باعث توجہ اور قابل استفادہ ہو،اس میں کچھ یا بہت کچھ کسی باطل مذہب کی تائید میں بھی ہوتا ہے جو مخالف قاری کو ناگوار ہوتا ہے پھر بھی کتاب کے عام فوائد کے باعث اس کا مطالعہ کر جاتا ہے اور موافق قاری ان قابل اعتراض مقامات کو مخفی رکھ کر عام افادات دکھاتے ہوئے بڑھا چڑھا کر تعارف کراتا ہے اور مصنف کو مفسرین و محدثین کی اونچی صف میں جگہ دلاتا ہے۔

ایسا پہلے بھی ہو چکا ہے۔تفسیر کشاف کا اعتزال اگر بہت سی جگہوں پر چھپا ہوا ہے تو بے شمار جگہوں پر بالکل برہنہ اور کھلا ہوا ہے مگر اشتقاق، نحو، صرف، معانی و بیان وغیرہ سے متعلق اس میں ایسے افادات بھی ہیں کہ امام رازی کی "مفاتیح الغیب" (تفسیر کبیر) بھی ان کی نقل سے خالی نہیں جب کہ ردمعتزلہ امام رازی کا خاص مقصد ہے۔کسی بھی آیت سے اگر معتزلہ نے استدلال کیا ہے تو اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کا تفصیلی یا اجمالی رد تفسیر کبیر میں ضرور ملے گا۔

آپ اگر ہندوستان یا بیرون ہند کے عام تعلیمی حلقوں میں کسی شخصیت کے علم و فضل کا خطبہ پڑھیں تو آپ سے سوال ہوگا کہ ان کی تصنیفات کیا ہیں؟ انھوں نے اگر

قرآن کی تفسیر یا صحاح ستہ وغیرہ میں سے کسی کتاب کی شرح لکھی ہو یا کوئی سیرت و تاریخ لکھی ہو یا عام اسلامی موضوعات پر کوئی کام کیا ہو تو بتایئے، ہم استفادہ کریں۔

دوسروں نے اس عالمی صورتِ حال کو بہت پہلے سمجھ لیا اور اسی نہج پر کام کر کے دنیا میں اپنی حیثیت تسلیم کرالی۔نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمارے لیے یہ باور کرانا مشکل ہے کہ یہ قدر آور مصنفین کسی باطل فکر و خیال کے حامل تھے۔

اب کچھ ضروری اور اہم کاموں کی فہرست پیش کر رہا ہوں۔

ا-سیاسی تنظیم ہم جس ملک کے باشندے ہیں اس میں ہمارے بہت سے مسائل اور حقوق ہیں، اگر ہمارے قومی معاملات و مسائل میں حکومت کی جانب سے کوئی رخنہ اندازی ہوتی ہے تو اس سے فوراً آگاہی اور صحیح حل کے لیے تگ و دو ہماری ذمہ داری ہے۔اسی طرح حکومت سے عام باشندوں یا خاص اقلیتوں کو اگر کچھ فوائد مل رہے ہیں تو ان سے واقفیت اور قانونی طور پر ان کے حصول کی کوشش ہونی چاہیے مگر حال یہ ہے کہ چالاک لوگ سب کچھ حاصل کر لیتے ہیں اور ہمیں خبر بھی نہیں ہوتی۔کوئی قومی و ملکی مسئلہ پیش آتا ہے تو ساری آوازیں دوسرے ہی خیموں سے بلند ہوتی ہیں اور ہماری طرف بالکل سناٹا دکھائی دیتا ہے جیسے ہمارا یہ مسئلہ ہی نہیں۔ایسے مواقع پر عوام جسے اپنی نمائندگی کرتے ہوئے پاتے ہیں اسے اپنا رہبر اور قائد مان لیتے ہیں اور جنھیں غافل دیکھتے ہیں ان سے اپنا رشتہ توڑ لیتے ہیں یا کم از کم ان کی غفلت و خاموشی پر شاکی رہتے ہیں۔

ان حالات میں اپنی آواز بلند کرنے اور اپنی قیادت واضح کرنے کے لیے کوئی سیاسی پلیٹ فارم ہونا ضروری ہے۔اس کے لیے مناسب صورت یہ ہے کہ دلّی میں اپنی زمین ہو جس پر جدید سہولیات پر مشتمل شاندار عمارت ہو، ایک مستقل عملہ ہو جو باضابطہ سرگرم عمل ہو۔اسے چلانے کے لیے بہت بیدار مغز اور سیاسی بصیرت رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک کمیٹی ہو جس کے سبھی ارکان دلّی یا اس سے قریب مقامات کے رہنے والے ہوں تاکہ کسی معاملے میں فوراً مشاورت اور اجتماع کی ضرورت ہو تو سب لوگ بآسانی جمع

ہو جائیں پھر اس کی شاخیں مختلف شہروں میں قائم کی جائیں۔ ابتداءً ایک دو با تنخواہ کارکن، کرایے کے ایک دو کمرے اور آمد و رفت کے لیے گاڑی رکھ کر بھی کام کا آغاز ہو سکتا ہے۔ مگر جو بھی آغاز ہو منصوبہ بند، مضبوط اور مستحکم ہونا ضروری ہے۔ باضابطگی، منصوبہ بندی اور گہری سوچ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے کام مضحکہ خیز بن جاتے ہیں یا دیر پا نہیں ہوتے۔

۲- یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہمارے افراد مختلف شعبوں میں پہنچیں اور مختلف شعبوں میں کام کریں۔ مثلاً ------ صحافتی لائن میں ہمارے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں۔ اب اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مفتی آل مصطفیٰ صاحب کے ایک مضمون پر اعتراض "راشٹریہ سہارا" میں چھپا، اس کا جواب انھوں نے تیار کیا تو اس اخبار کے آٹھ نو ایڈیشن نکلتے ہیں کسی میں وہ چھپ نہیں رہا ہے، پہونچ گیا ہے اور شائع نہیں ہو رہا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دوسرے وہاں پر براجمان ہیں اور وہ مسلکی تعصب کی بنا پر ہماری خبریں یا چھاپتے ہی نہیں یا چھاپتے ہیں تو بہت ہلکی اور ایسے انداز میں کہ عام قارئین کی نظر وہاں نہ پہنچے۔

۳- اسی طرح سیاسی میدان میں بھی خلا نظر آتا ہے۔ کوئی بات حکومت تک پہنچانی ہو تو اس کے لیے با اثر افراد اور ذرائع کی ضرورت ہے۔ حکومت کی طرف سے جو مراعات مسلمانوں کے لیے ہوتی ہیں، ان کو حاصل کرنا ہو، مدارس کے لیے اور قوم مسلم کے لیے جو فوائد ہوں، ان کو حاصل کرنا ہو تو اس سلسلے میں ہمارے لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی ہے اور دوسرے لوگ سب اُچک لے جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس سلسلے میں ایک تو اپنے فارغین کی رہنمائی کریں کہ وہ مختلف شعبوں میں مختلف محکموں میں پہنچنے کی کوشش کریں اور کسی بھی شعبہ کو اپنا نشانہ بنا کر اس کے لائق مہارت، قابلیت اور اعلیٰ صلاحیت پیدا کریں۔

۴- دوسرے یہ کہ جو لوگ حکومت کے مختلف محکموں میں کام کر رہے ہیں اور ہماری جماعت سے وابستہ ہیں، ان سے ہم رابطہ رکھیں۔ ان کو قریب کریں، مذہبی طور پر

ان کو اپنی معلومات بہم پہونچائیں تا کہ وہ مسلک اور عقیدے کے لحاظ سے متصلب بھی ہوں اور ان کے اندر اپنی جماعت کے لیے کام کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہو۔ رابطہ نہ رہنے کی وجہ سے جو افراد کام کرتے ہیں وہ یوں ہی بے سہارا رہتے ہیں اور دوسروں کی رو میں بہتے رہتے ہیں۔

اس لیے ان سے رابطہ رکھنے میں ان کا فائدہ تو یہ ہوگا کہ وہ مذہبی اعتبار سے متصلب ہوں گے، دینی معلومات ان کے پاس فراہم ہوں گی اور جماعت کا فائدہ یہ ہوگا کہ جماعتی کام ان کے ذریعہ انجام پاتے رہیں گے۔

اسی طرح کالجوں اور یونیورسٹیوں کی لائن میں ہمارے جو طلبہ اور اساتذہ رہتے ہیں ان سے بھی ہمارا رابطہ ہو تو وہ اپنے مسلک اور اپنے مذہب پر پختگی کے ساتھ قائم رہ سکتے ہیں۔ ورنہ دوسرے پہنچتے رہتے ہیں اور جو اساتذہ اور طلبہ ہیں ان کو اپنی باتیں پلاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اگر ہمارا رابطہ ہو تو وہ ہماری راہ پر رہیں گے اور مضبوط اور ٹھوس بھی ہوں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ جماعتی کام بھی کریں گے۔

یہ راہیں اپنانا ہمارے لیے ناگزیر ہو چکا ہے اگر ہم اپنی حدوں تک رہ گئے تو ہماری جماعت کے مسائل حل نہیں ہو سکیں گے اور اس طرح کے کام رکھے رہ جائیں گے۔

[۴] اسی طریقہ سے ادبی میدان اور ادبی محکمے ہیں۔ ہمارے یہاں اہل قلم بہت سے ہیں۔ لیکن جب اہل ادب کے طرز پر لکھا جائے یعنی عام ادبی موضوعات پر کسی کی تحریریں ہوں، نظم میں یا نثر میں تو اہل ادب کا مرکز توجہ بنتی ہیں۔ وہ ان پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور لکھنے والوں کو ادبا کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں صاحب طرز اور صاحب اسلوب شخصیتیں موجود ہیں لیکن ادبا میں ان کا شمار نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خود ان محکموں میں ہوں اور اپنا تعارف کرانے کی کوشش کریں اور ہمارے جو افراد وہاں پہنچے ہوئے ہیں ان سے ہمارا رابطہ ہو۔ ان سب چیزوں پر جماعتی انداز میں توجہ دینا اور اس کے ذرائع اور تدابیر بروئے کار لانا، یہ بھی آج کی ضرورت ہے اور ہم سب کو اس پر توجہ دینا چاہیے۔

[اسلامی تنظیمیں]

۵- ایک اور اہم بات یہ کہ جو حضرات مختلف میدانوں میں کام کر رہے ہیں، ان کی ہمت افزائی بھی ہونی چاہیے۔ مثال کے طور پر دعوت اسلامی اور سنی دعوت اسلامی کے لوگ، یہ عوام کے پاس جاتے ہیں، ان کو عقیدہ اور عمل کی تعلیم دیتے ہیں، ان کو راہ پر لاتے ہیں اور یہی صحیح جواب ہے اس تبلیغی جماعت کا جس نے ہماری بستیاں خراب کر دیں اور پچاس سال تک ہم ان کے جواب میں صرف یہ کہتے رہے کہ تمھارے عمل کا کیا اعتبار، تمھاری نماز کا کیا اعتبار، بغیر ایمان کے نجات نہیں ہو سکتی۔ ایمان اگر ہے تو کسی نہ کسی مرحلہ میں نجات ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی۔ پچاس سال تک یہ جواب چلتا رہا، کچھ تقریروں کا اس سے استثنا کیا جا سکتا ہے۔ بات سو فیصد صحیح ہے۔ لیکن یہ عمل کی راہ سے آنے والے طوفان بدعقیدگی کا حل نہیں، بلکہ اس سے دو خرابیاں پیدا ہوئیں۔ یہ جواب صرف اسٹیجوں تک رہ جاتا ہے اور جو لوگ اس جلسہ میں حاضر ہوتے ہیں وہ مطمئن ہو جاتے ہیں کہ صاحب ہم کو تو عمل کرنے کی ضرورت نہیں، ہمارا ایمان ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اس سے ہمارے لوگوں کے اندر بے عملی پھیلی، بڑھی جب کہ علما کا کام یہ نہیں ہے کہ صرف عقیدہ درست کروا دیں اور عمل کی راہ میں آزاد کر دیں۔ عقیدہ اور عمل دونوں کی اصلاح کرنا علما کی ذمہ داری ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جن کا اعتقاد صحیح ہے ان ہی کے لیے حسن عمل کا فائدہ ہے۔ دعوت عمل سے انہیں محروم رکھنے میں خسارہ ہی خسارہ ہے اور احکم الحاکمین کے حضور جواب دہی بھی ------ خیر کہنا یہ ہے کہ مذکورہ طرز سے دو نقصان ہوئے۔

ایک یہ کہ ہمارے بہت سے لوگ خراب ہوئے۔ **دوسری** خرابی یہ پیدا ہوئی کہ جن کے اندر عمل کی رغبت تھی وہ تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گئے اور بعد میں ان کے ہم عقیدہ بھی ہو گئے۔ اس میں شہر کے شہر، بستیاں کی بستیاں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ صحیح جواب یہ ہے کہ ہم عمل کے میدان میں بھی عوام کو ترغیب دیں، عقیدہ

کی بھی اصلاح کریں اور قریہ قریہ پہنچ کر اپنی بات پہنچائیں اور لوگوں کو اپنی جماعت سے منسلک کریں۔ لیکن ہمارے یہاں اختلاف و انتشار گویا فطرت میں داخل ہے اس لیے کوئی مثبت اور تعمیری کام ہو بھی رہا ہے تو اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اس کی ہمت شکنی کی جاتی ہے، بجائے اس کے کہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔ مولانا محمد الیاس قادری، دعوت اسلامی کے تحت عالمی پیمانے پر دین و سنیت کی جو عظیم خدمت انجام دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا بہت بڑی ناقدری ہوگی۔ انھوں نے آج کی ضرورت کے پیش نظر مکتبۃ المدینہ بھی قائم کیا ہے، جس میں ستر افراد کا اسٹاف کام کر رہا ہے اور انھوں نے "جد الممتار" کو از سر نو لانے کی کوشش کی ہے۔ ہم لوگوں نے تو اصل کو شائع کر دیا تھا اور اضافے بہت کم تھے، لیکن انھوں نے اس کا التزام کیا کہ فتاویٰ رضویہ میں جو مسائل ہیں جد الممتار کے متعلقہ باب میں ان کو بھی شامل کیا جائے۔ اس طریقے سے انھوں نے دوبارہ ایڈٹ کر کے چار جلدیں شائع کی ہی اور اسی انداز پر باقی جلدوں کو بھی لانا چاہتے ہیں۔ بہار شریعت ہمارے یہاں عرصۂ دراز سے رائج ہے لیکن مکتبۃ المدینہ نے ایک تو اس کے حوالوں کی تخریج کی ہے دوسرے اس کے ساتھ ساتھ حواشی بھی لکھے ہیں، تیسرے فقہی فوائد اور اصطلاحات شروع میں دی ہیں اور بہت سی دوسری چیزیں شامل کی ہیں جو اس کتاب کو بہت ہی عظیم، بہت ہی وقیع اور عوام و خواص کے لیے بہت زیادہ مفید بنا دیتی ہیں۔ اس طرح کی خدمات جو ہمارے افراد کر رہے ہیں ان کی ہمت افزائی ہونا بھی ضروری ہے کہ جو کام ہم نہ کر سکے انھوں نے کیا، نہ یہ کہ ہم نہ کر سکے اور کوئی دوسرا کر رہا ہے تو اس کی کوئی اہمیت نہیں، کوئی حیثیت نہیں۔ بلکہ جو بھی ملت کا، جماعت کا، دین کا کام کر رہا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے تو جتنا کچھ وہ کر رہا ہے اس سے زیادہ کرنے کی کوشش کرے گا اور دوسرے افراد کے اندر بھی جذبہ پیدا ہوگا کہ ہم اس طرح کے کام کریں۔

۶-علمائے کرام کا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ اگر کسی کے اندر کوئی خامی ہے تو اخلاص کے ساتھ اس کی اصلاح کر دی جائے، میں یہ نہیں کہتا کہ خامیوں کو پنپنے ہی دیا جائے۔ کسی کے اندر خامی ہو تو اس کی اصلاح کی جائے لیکن جو خوبی ہو اس کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ بڑی سے بڑی خوبی ایک خامی کی وجہ سے ردی کی ٹوکری میں ڈال دی جائے اس کی کوئی حیثیت نہ رہ جائے۔ جو کام پوری جماعت نہ کر سکی وہ کام بھی اگر کوئی کر رہا ہے اور بڑے پیمانے پر کر رہا ہے تو اس کو بھی کوئی حیثیت نہ دی جائے۔ ان باتوں سے بہر حال ہمارے مخلص اور دیدہ ور علما کو دور رہنا چاہیے اور جماعت کے کاز کو آگے بڑھانے کے لیے جو چیزیں مفید اور کار آمد ہو سکتی ہیں ان پر توجہ دینی چاہیے۔ رب تعالیٰ ہم سب کو توفیق خیر سے نوازے۔

۷- کچھ اور بھی کام عرض کرنے تھے مگر تفصیل سے گریز کرتے ہوئے اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱-سیرت و تاریخ ۲-تفسیر و علوم قرآن ۳-حدیث و علوم حدیث ۴-تبلیغ کے لیے کسی عالمی زبان پر مہارت ۵-ہندوستان کی مقامی زبانوں میں کام ۶-اردو کتابوں کے عربی اور انگریزی ترجمے ۷-عصری اور دل نشیں اسلوب میں اپنے مذہب کا اثبات اور مذاہب باطلہ کا ابطال ۸-اپنے موجودہ اور گزشتہ علما کی خدمات کا تعارف۔

یہ سب موضوعات بلکہ شعبہ جات لمبے وقت اور مستقل محنت کے طالب ہیں جن پر باصلاحیت افراد کو لگنے اور کام کرنے کی ضرورت ہے بعض کام انفرادی طور پر کیے جا سکتے ہیں اور بعض اکیڈمی کی شکل میں ہونا چاہیے کیوں کہ باضابطہ لائبریری اور دیگر وسائل کے بغیر کوئی ٹھوس، مضبوط اور اعلیٰ کام ہونا بہت مشکل یا ناممکن ہے۔